ماہنامہ

طلوعِ اسلام

لاہور

اکتوبر ۲۰۰۱ء

قرآنی نظامِ ربوبیت کا پیامبر

قرآن کی حکومت

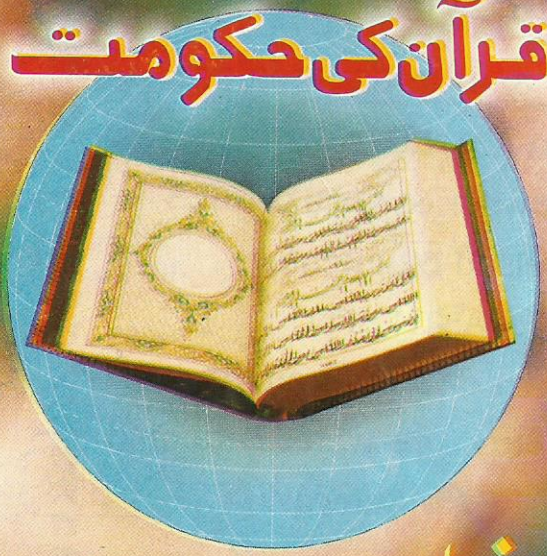

قائداعظمؒ اور قرآنِ مجید

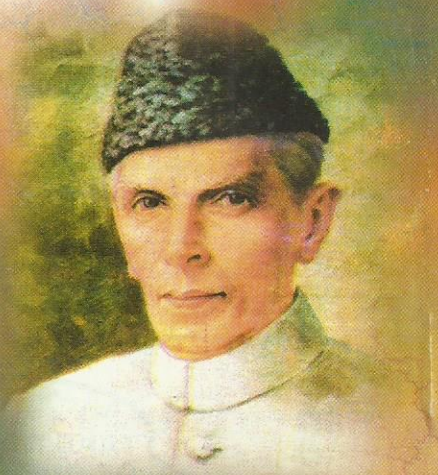

پبلک سرونٹ

(تشریح اور تاریخی پس منظر)

قصۂ فیل - شبہات کے بھنور میں

شیخ محمد عبدہٗ کی اصلاحی تحریک

دینی مدارس - حکومتی آرڈیننس

مجلّہ طلوع اسلام کا اجراء 1938ء میں علامہ اقبالؒ کے ایماء اور قائداعظمؒ کی خواہش پر عمل میں آیا

قُرآنی نظامِ ربُوبیّت کا پیامبر

ماہنامہ طلوعِ اسلام لاہور

قیمت فی پرچہ
-/15 روپے

خط و کتابت
ناظم ادارہ طلوعِ اسلام (رجسٹرڈ) ۲۵-بی گلبرگ ۲ لاہور-۵۴۶۶۰
ٹیلی فون: 5714546-5753666
idara@toluislam.com

بدل اشتراک
سالانہ
پاکستان -/170 روپے
غیر ممالک -/800 روپے

Bank Account Number 3082-7 National Bank of Pakistan, Main Market Gulberg Branch, Lahore.

جلد 54 | اکتوبر 2001ء | شمارہ نمبر 10

ایڈیٹر
محمد سلیم اختر

مجلس مشاورت
* ڈاکٹر صلاح الدین اکبر
* محترمہ شمیم انور

اکاؤنٹنٹ ---------- محمد زمرد بیگ
کمپوزر ---------- شعیب حسین

انتظامیہ
چیئرمین ---------- ایاز حسین انصاری
ناظم ---------- محمد سلیم اختر
ناشر ---------- عطاء الرحمان ارائیں

قانونی مشیر
* عبداللہ ثانی ایڈووکیٹ
* ملک محمد سلیم ایڈووکیٹ
* محمد اقبال چوہدری ایڈووکیٹ

پرنٹرز: آفتاب عالم پریس، ہسپتال روڈ، لاہور-فون: 7232584

فہرست

لمعات	ادارہ	3
قائداعظمؒ اور قرآن مجید	مولانا غلام مرشدؒ	6
قرآن کی حکومت	حکیم محمد سعید مرحوم	10
شیخ محمد عبدہٗ کی اصلاحی تحریک	محمود الحق	13
پبلک سرونٹ	علامہ آئی۔آئی۔قاضی ترجمہ محمد موسیٰ بھٹو	27
قصہ ءفیل شبہات کے بھنور میں	رحمت اللہ طارق	36
دینی مدارس اور حکومت	ایاز حسین انصاری	39
اسلام نافذ کرنے کا صحیح طریقہ	عطاء الحق قاسمی	45

ENGLISH SECTION

Voice of Youth Fearless Nations by M.Ashraf	47
Taqdeer And The Code of Life by Khalid Ahmed	50
The Status of Hadith..... Explanations of Quran Through Ahadith Translated by Aboo B. Rana	64

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

لمعات

لمن الملک الیوم

بدقسمتی سے 11 ستمبر 2001ء کو چار طیارے امریکہ کے 3 مختلف ایئرپورٹس سے ایک گھنٹے میں اغوا کئے گئے۔ دو طیارے بوسٹن سے، ایک نیویارک سے اور ایک ڈیلاس ایئرپورٹ سے اغوا ہوا۔ سب طیاروں نے اڑنے کے بعد اپنے اپنے روٹ تبدیل کئے۔ دو طیارے ورلڈ ٹریڈ سنٹر کے دو ٹاوروں کے ساتھ ٹکرائے۔ جس سے 110 منزلہ عمارت دیکھتے ہی دیکھتے زمین بوس ہوگئی۔ تیسرا طیارہ پنٹاگون کی عمارت سے ٹکرایا اور امریکہ کا سب سے بڑا دفتر تباہ ہوگیا۔ ملازمین کے پرخچے اڑ گئے۔ ایک طیارہ شہر برگ کے قریب کریش کر گیا۔ ان خودکش حملوں کے باعث ہزاروں افراد ہلاک اور کھربوں ڈالر کا نقصان ہوا۔ ان دہشت گرد حملوں پر تمام عالمی راہنماؤں نے مذمت کا اظہار کیا اور امریکہ کو تعاون کی پیشکش کی۔ پاکستان کے صدر جنرل پرویز مشرف نے بھی ان انتہائی بہیمانہ اور خوفناک دہشت پسندانہ حملوں کی سخت ترین الفاظ میں مذمت کی۔ ادارہ طلوع اسلام بھی اس وحشیانہ اقدام کی مذمت کرتا ہے اور اس فعل کو غیر اسلامی اور غیر انسانی گردانتا ہے۔

مذکورہ بالا وقوعات سے یہ معلوم ہو رہا ہے کہ:-

☆ اتنے عظیم ملک کی ساری جاسوسی ناکام رہی اور امریکہ کی خفیہ اور حفاظتی ایجنسیوں کی مہارت کا پول کھل گیا کہ وہ کتنے پانی میں ہیں۔

☆ ڈیلاس ایئرپورٹ پر انتہائی سخت سیکیورٹی ہوتی ہے اس کے باوجود بھی وہاں سے طیارہ اغوا ہوگیا۔

☆ تمام اڑنے والے طیاروں نے روٹ تبدیل کر لیا مگر سول ایوی ایشن کے افسروں نے اس کا نوٹس ہی نہیں لیا۔ یہ بات سمجھ میں نہیں آ سکتی۔

☆ امریکہ کے سیٹلائیٹ سسٹم کی قلعی بھی کھل گئی۔ یہ کارروائیاں مکمل ہوگئیں اور کوئی مداخلت نہیں ہوئی۔

☆ ڈیفنس میزائل پروگرام بھی ناکارہ رہ گیا۔

ان حالات سے ثابت ہوا کہ امریکہ کا صرف نام رہ گیا ہے اور وہ اندر سے کھوکھلا ہو چکا ہے۔ یہ تباہی کا پیش خیمہ ہے۔ بجائے اس کے کہ امریکہ اس صورت حال پر غور و فکر کرتا' اس حملہ کو ایک بہانہ بنا لیا اور خواہ مخواہ پاکستان کے خلاف دباؤ ڈالنا شروع کر دیا اور مطالبات کی لسٹ پیش کر دی ہے۔ کہا جاتا ہے کہ امریکہ نے پاکستان سے جو مطالبات پیش کئے ہیں اس میں اس کی فضائی حدود سے لڑاکا طیارے گذارنا اور فوجی اڈوں تک رسائی شامل ہے' اگر پاکستان نے امریکہ کی مدد نہ کی تو وہ کشمیر پر بھارت کا دعویٰ تسلیم کر لے گا اور پاکستان کو دہشت گرد قرار دیا جا سکتا ہے' انکار کی صورت میں امریکہ نے یہ دھمکی بھی دی ہے کہ پاکستان کے خلاف کارروائی کی جائے گی اور طول طویل جنگ چھڑ جائے گی۔ کیا یہ ظلم کی انتہا نہیں۔ کیا یہ دہشت گردی نہیں؟

امریکہ کو چاہئے کہ وہ دوسروں کے امن میں خلل انداز نہ ہو۔ قوت کے نشہ میں بدمست قومیں دنیا میں خلل انداز ہوں اور فساد برپا کرنے پر آمادہ' تو اس کے سوا کوئی چارہ نہیں کہ انہیں ضرور روکنا ہوگا۔ اس سے پہلے ان کو سمجھانے کی ہر ممکن کوشش کی جائے اور وہ قوت کے سوا کوئی زبان ہی نہ سمجھیں تو پھر ان کے مقابلہ کے لئے قوت کا استعمال ناگزیر ہو جائے گا۔ دنیا میں امن قائم رکھنے اور ظلم و زیادتی کو روکنے کے لئے بنیادی حقوق انسانیت کے تحفظ کے لئے بوقت ضرورت سربکف میدان میں نکل آنا' انسانیت کے فوز و فلاح کے لئے نہایت ضروری ہے۔ قرآن کریم کا فرمان ہے کہ ''جو لوگ تمہارے خلاف جنگ کے لئے اٹھ کھڑے ہوئے ہیں۔ ان سے جنگ کرو۔ لیکن زیادتی مت کرو'' (القرآن ۲/۱۹۰)۔

اگر امریکہ کے تاریخی پس منظر پر نگاہ دوڑائی جائے تو دوسری جنگ عظیم کے بعد امریکہ کو ایک عالمی طاقت کا درجہ حاصل ہوا اور ایٹم بم کی ملکیت نے اسے واحد اور بدترین طاقت بنا دیا۔ استعمار یورپ سمٹ کر امریکہ کے ہاتھوں میں آ گیا اور اس کو یہ یقین ہو چلا تھا کہ اس نے مشیت کو ایٹم بم کے زور سے شکست دے دی ہے اور ساری دنیا اس کے حلقہ بگوش بننے والی ہے۔ لیکن زیادہ وقت نہیں لگا کہ ایٹم بم اپنی تمام تر خوفناک صلاحیتوں کے باوجود امریکہ کے لئے کارِ بے بنیاد ثابت ہو گیا۔ وہ ایٹم بم سے جاپان جیسی عسکری قوت کو ہتھیار ڈالنے پر مجبور کر سکتا تھا لیکن ایشیائی اقوام کی تحریک آزادی سے عاجز آ گیا۔ اس تحریک کو روکنے کے لئے اس نے کوریا کا جنوبی حصہ ہتھیا لیا اور اقوام متحدہ کا ڈھونگ کر کے اس کے شمالی حصہ کو روندتے ہوئے پھر سے پہنچنا چاہا لیکن اس کے قریب بھی پھٹک نہ سکا۔

برطانیہ نے امریکہ کو استعماری کردار کے لئے خاصا تیار کر دیا تھا کیونکہ امریکہ کو استعماری تجربہ نہ تھا۔ امریکہ کو سب سے زیادہ پریشان روس نے کیا۔ اس نے چند سالوں میں تباہی کے وہ سارے خوفناک سے خوفناک ہتھیار بنا لئے جو امریکہ نے بنا رکھے تھے۔ اس نے صرف امریکہ کی اجارہ داری کو ختم نہیں کیا بلکہ اس پر سبقت بھی لے گیا۔ بہرحال اب تو امریکہ کو روس کی طرف سے اطمینان حاصل ہو گیا ہے لیکن روس کی جگہ چین نے لے لی ہے۔ چین نے ایسی ترقی کی ہے کہ وہ عالمی طاقت بن گیا ہے۔ امریکہ یہ بالکل گوارہ کرنے کو تیار نہیں ہے۔ وہ ہر جتن کر کے چین کا راستہ روکنا چاہتا ہے۔ یہ عالم گیر نام نہاد دفاعی تیاریاں سب چین کے خلاف ہیں۔ وہ چین کے

اندر گھسنے کی تیاریاں کرتا رہا ہے اور کر رہا ہے۔

ایشیاء میں استعمار فرنگ کے حلقہ ہائے دام ایک ایک کر کے ٹوٹتے گئے۔ سحر فرنگیانہ ٹوٹتا چلا گیا۔ 1947ء میں برصغیر آزاد ہوا۔ اس کے دو سال بعد انڈونیشیا جیسا وسیع علاقہ بھی آزاد ہو گیا۔ امریکہ خود چین سے بے آبرو ہو کر نکلا۔ کوریا تک میں اسے منہ کی کھانی پڑی۔ وہ جن ایٹمی دانتوں سے جاپان کو کھا گیا تھا وہ جاپان سے باہر کھانے کے نہیں صرف دکھانے کے رہ گئے۔ ایشیا میں خلاف استعمار طوفان اٹھا تو امریکہ کا ایٹم بم اس کے لئے خس و خاشاک کی طرح بے بس دکھائی دیا۔ اس سیلاب بے پناہ کو روکنے کے لئے امریکہ نے ہندچینی میں پنجے گاڑنے شروع کئے لیکن استعمار کے قدم کہیں ٹک نہیں سکے۔

امریکہ نے چین میں بذریعہ ہندوستان گھسنے کی بھی کوشش کی۔ ہندوستان امریکہ کا مزارع بن گیا اور حد سے آگے بڑھ گیا۔ امریکہ کی مدد اور شہ پر 1962ء میں اس نے چین پر حملہ کر دیا۔ اس نے چینی بھارت سرحد کا مسئلہ شروع کیا۔ بجائے اس کے کہ وہ گفت و شنید سے مسئلہ حل کراتا اس نے چین پر ہلہ بول دیا۔ بھارت نہ چین کا مدمقابل تھا نہ اس جارحانہ اقدام سے اصل مسئلہ کا تصفیہ مقصود تھا۔ وہ دراصل چین اور افریشیائی برادری کے درمیان حائل ہو گیا۔ بھارت کو شکست ہوئی۔ اس نے امریکہ کو یقین دلایا کہ جب تک پاکستان موجود ہے بھارت یکسوئی سے چین کی طرف متوجہ نہیں ہو سکتا۔ بہرحال اب استعمار شکست پر پیچ و تاب کھا رہا ہے جو اس کو چین کے ہاتھوں اٹھانی پڑی۔ احساس شکست نے اسے انتقام کے جہنم میں دھکیل دیا ہے۔ اب اسے کسی پہلو بھی چین نہیں۔ اس کی داخلی دنیا میں عظیم خلفشار ہے اور ایسا ہی خلفشار اس نے خارج میں قدم قدم پر برپا کر رکھا ہے۔ امریکہ سے مختلف کردار کی توقع رکھنا اپنے آپ کو دھوکہ دینا اور تاریخ کا منہ چڑانا ہے۔ دنیا میں امریکہ کی استعماری ذہنیت کمال عریانی سے مصروف کار ہے۔ معلوم یہ ہو رہا ہے کہ امریکہ اس معرکے کا پاکستان کو میدان کارزار بنانا چاہتا ہے۔

امریکہ میدان استعمار میں تن تنہا رہ گیا ہے۔ اس تنہائی سے محاذ سکڑنے کے بجائے پھیل رہا ہے۔ استعمار بھول رہا ہے کہ حرف آخر اس کے ہاتھ میں نہیں۔ مشیت اس کے عزائم سے غافل نہیں۔ اس کے مضمرات پاکستان کے لئے کیا ہیں یہ علیحدہ بحث ہے۔ البتہ دکھائی دے رہا ہے کہ مشیت تیزی سے مصروف کار ہے اور استعمار کا آخری فیصلہ کرنے میں لگ گئی ہے۔ امریکہ آج زبان حال سے پکار رہا ہے:

لمن الملک الیوم؟ "اقتدارات و اختیارات کلی کا مالک کون ہے؟" اور مشیت کا جواب نہایت واضح الفاظ میں ہے۔ **للہ الواحد القہار** (۴۰/۱۶)

صورت حال یہ ہے کہ ہم میں اتنی طاقت نہیں کہ ہم پوری دنیا کا تن تنہا مقابلہ کر سکیں۔ ہماری مذہبی پیشوائیت عجمی اسلام کو قرآنی اسلام کے نام سے پیش کر رہی ہے۔ جب تک قرآنی نظام نہ ہو تو طاقت کہاں سے آئے گی۔ قرآن تو مھجور ہے۔ پہلے قرآنی نظام نافذ ہو تو پھر آپ غالب رہ سکتے ہیں۔ ورنہ دوسری قوم آجائے گی اور ہمیں محکوم بنا دے گی۔ یہ خدا کا اٹل قانون ہے۔

جنگ کے مقابلہ میں صلح اچھی چیز ہوتی ہے۔ جنگ کب کرنی چاہئے' اس کا فیصلہ حکومت کر سکتی ہے۔ اس لئے کہ فیصلے تک پہنچنے کے لئے بہت سے امور ہوتے ہیں جن کو سامنے رکھنا پڑتا ہے۔ اس وقت قوم کی قیادت جنرل پرویز مشرف جیسی شخصیت کے ہاتھ میں ہے۔ وہ سب کچھ قوم کے لئے کر رہے ہیں۔ ان کے جرأت آفریں عزیمانہ فیصلے ان کی بے مثال قابلیت اور صداقت کا ثبوت ہیں۔ قوم کو ان کی دیانت' امانت اور انتھک سعی و کاوش پر کلی اعتماد ہے کہ وہ قلب و دماغ کی صلاحیتیں نہایت عمدگی سے بروئے کار لائیں گے۔

ہماری دلی آرزو ہے کہ خدا پاکستان کو ہر خطرہ سے محفوظ رکھے۔ آمین۔

★★★★★★★★★★★★★★★★★★★★★★★★

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

محترم مولانا غلام مرشد صاحبؒ

قائداعظمؒ اور قرآنِ مجید

پیرانہ سالی اور اس پر مختلف عوارض کے ہجوم نے پہلے ہی مضمحل کر رکھا تھا جو گزشتہ دنوں مسلسل بخار کی شدت نے رہی سہی کسر بھی نکال دی اور نقاہت اس قدر بڑھ گئی کہ تھوڑے سے وقت کے لئے بات چیت کرنے کی بھی ہمت نہ رہی۔ جسمانی کوفت تو تھی ہی لیکن اس دوران میں دو ایک باتیں ایسی نظروں سے گزریں جنہوں نے انتہائی روحانی کرب پیدا کر دیا۔ سوچتا تھا کہ اگر تھوڑی سی سکت بھی پیدا ہو جائے تو میں کم از کم اپنی ایک شہادت کو قلمبند کر کے محفوظ کر جاؤں جس سے ثابت ہو سکے کہ محسنِ ملت قائداعظمؒ کا قرآن حکیم کے ساتھ کس قدر گہرا تعلق تھا۔ اس احساس کی شدت' اس خیال سے اور بھی بڑھ گئی کہ کل قیامت کے دن کم از کم اس بازپرس سے بچ جاؤں کہ جب یہ اتنی بڑی شہادت تمہارے پاس موجود تھی تو تم اسے اپنے سینے میں مستور رکھ کر دنیا سے کیوں چلے آئے۔ لیکن میری نقاہت راستے میں بری طرح حائل تھی۔ اس مشکل کا حل میرے واجب الاحترام دوست پرویز صاحب نے پیش کر دیا۔ انہوں نے مزاج پرسی کے لئے ٹیلی فون کیا تو میں نے ان سے اپنے اس کرب کا اظہار بھی کیا۔ اس پر انہوں نے کہا کہ میں اپنے ایک معاون کو آپ کی خدمت میں بھیجے دیتا ہوں۔ آپ جو کچھ لکھنا چاہیں انہیں املا کرا دیجئے۔ چنانچہ میں ان کے شکریے کے ساتھ یہ الفاظ املا کرا رہا ہوں تاکہ یہ اس کے بعد طلوع اسلام کے صفحات میں محفوظ ہو جائیں۔

پہلی چیز جو میرے لئے اس روحانی کرب کا باعث ہوئی وہ جماعت اسلامی کے موجودہ امیر میاں طفیل محمد صاحب کی پیش کردہ تثلیث تھی۔۔ یعنی یہ کہ ایک جداگانہ مملکت کا خیال اقبالؒ نے دیا۔ پاکستان کا نظریہ مودودی صاحب نے عطا فرمایا اور محمد علی جناحؒ نے اس کے مطابق ایک مملکت حاصل کر لی۔ اس قسم کی ایک تثلیث عیسائیوں نے بھی متشکل کی تھی۔۔ یعنی باپ' بیٹا اور روح القدس۔۔ شروع میں تو یہ اقنوم ثلاثہ برابر کی حیثیت رکھتے تھے لیکن رفتہ رفتہ ہوا یہ کہ باپ اور روح القدس بیٹے میں حلول کر گئے اور عیسائیت کا۔۔ بلکہ یوں کہئے کہ ساری دنیا کا مدار علیہ حضرت مسیحؑ ہی رہ گئے۔ اس جدید' تثلیث کے پیش کرنے والے جس بری طرح سے پہلے تحریک پاکستان کے اور اب مملکتِ پاکستان کے پیچھے پڑے ہوئے ہیں' اس کی روشنی میں یوں نظر آتا ہے کہ رفتہ رفتہ اس مثلث کے چھوٹے دونوں ضلعے۔۔ یعنی اقبالؒ اور جناحؒ' ختم کر دیئے جائیں گے اور ان کے معزز مقتدیٰ۔۔ مودودی صاحب۔۔ خطِ مستقیم بن کر بانیء پاکستان کی حیثیت سے دنیا کے سامنے آ جائیں گے۔ تاریخ میں اس قسم کی تنسیخ و تحریف کوئی نیا واقعہ نہیں۔

دوسرا واقعہ' جس نے میرے اس کرب کو شدید ترین درد میں بدل دیا' مودودی صاحب کا یہ ارشاد گرامی تھا کہ قائداعظمؒ کا

پاکستان کو اسلامی مملکت بنانے کا دعویٰ بھی محض فراڈ اور فریب تھا۔ مجھے الم انگیز کرب اس احساس سے تھا کہ یہ نابکار ایسا کچھ سننے کے لئے زندہ کیوں رہا؟ اس سے پہلے ہی اس کا خاتمہ کیوں نہ ہو گیا۔ قائداعظمؒ کا قرآن مجید کے ساتھ کس قدر گہرا تعلق تھا اور وہ اس باب میں کس قدر مخلص تھے اس کے متعلق بہت کچھ لکھا جا چکا ہے لیکن میں اس میں ایک ذاتی واقعہ کا اضافہ کرنا چاہتا ہوں جسے میں نے اپنی شہادت کہہ کر پکارا ہے۔ 1945ء کے آخری ثلث کی بات ہے جب قائداعظم رحمتہ اللہ علیہ آل انڈیا مسلم لیگ کے اراکین کے ساتھ ممدوٹ ولا (لاہور) میں قیام فرما تھے۔ ایک دن جب میں اپنے مکان۔۔ چومالہ نمبر 105/A میں بیٹھا ہوا تھا' قائداعظمؒ کا ایک نمائندہ میرے پاس پہنچا اور کہا کہ قائداعظمؒ نے مجھ خاکسار کو فوری طور پر یاد فرمایا ہے۔ میں فوراً چلنے کے لئے تیار ہوا' لیکن پھر خیال آیا کہ۔۔ زبان یار من ترکی و من ترکی نمی دانم۔۔ میں انگریزی کا ایک حرف نہیں جانتا اور قائداعظمؒ شاید میری زبان کو پوری طرح سمجھ نہ پائیں۔ تو باہمی گفتگو کا نقشہ کیا ہو گا۔ اتفاق سے اس وقت میرے پاس مسٹر ایم مسعود کھدر پوس (سابق آئی۔سی۔ایس' جو اس زمانے میں نواب شاہ کے ڈپٹی کمشنر تھے) بیٹھے تھے۔ میں نے ان سے ساتھ چلنے کے لئے کہا کہ وہ ترجمانی کے فرائض سرانجام دے سکیں۔ ہم ممدوٹ ولا پہنچے تو قائداعظمؒ ایک چھوٹے سے کمرے میں' جس کا دروازہ بڑے ہال کی طرف بھی کھلتا تھا' میرے منتظر بیٹھے تھے۔ سلام مسنون کے بعد انہوں نے ارشاد فرمایا کہ میں نے تمہیں ایک بڑے اہم دینی مقصد کے لئے بلایا ہے۔ جمعیت العلمائے ہند (دہلی) جس کے سرپرست مفتی کفایت اللہ (مرحوم)' مولانا حسین احمد مدنی (مرحوم) اور مولانا ابوالکلام آزاد (مرحوم) جیسے نیشنلسٹ علماء برسوں سے تحریک پاکستان کی مخالفت میں سرگرم عمل ہیں' بہت سے علماء ہمارے ہم نوا بھی ہیں لیکن ان کی کوئی تنظیم نہیں۔ کچھ عرصہ سے یہ کوشش جاری تھی کہ ان علماء پر مشتمل ایک متوازی جمعیت قائم کی جائے۔ اس کا مرکز کلکتہ تجویز پایا اور مختلف صوبوں میں اس کی شاخیں بھی قائم کر دی گئیں۔ اس کا افتتاحی اجلاس چند دنوں کے بعد کلکتہ میں ہونا قرار پایا۔ اس سلسلے میں ملک بھر میں دعوت نامے بھی جاری کر دیئے اور مولانا راغب احسن (مرحوم) کے زیر سرکردگی جملہ انتظامات بھی مکمل کر لئے گئے۔ اس جمعیت کے نامزد صدر مولانا شبیر احمد عثمانیؒ نے اس کا افتتاح کرنا تھا کہ سوء اتفاق سے وہ دیوبند میں علیل ہو گئے ہیں۔ جمعیت کے اجلاس میں چند روز باقی ہیں۔ وہ اس میں شریک نہیں ہو سکیں گے۔

یہ پس منظر بیان کرنے کے بعد قائداعظم علیہ الرحمتہ نے اپنے مخصوص ''جرنیلی'' انداز میں فرمایا کہ تم جلد از جلد خطبہء افتتاحیہ تیار کرو اور 24/25 اکتوبر تک کلکتہ پہنچ جاؤ۔ وہ ضابطہ کے اس قدر پابند تھے کہ انہوں نے کہا کہ تم ''شعبہء عمومی سیاست'' میں میرے نائب کی حیثیت سے کانفرنس میں شرکت کرو اور اس ضروری دینی خدمت کو سرانجام دو۔ خاکسار نے ان کی اس سرفرازی پر شکریہ ادا کیا اور اس ضرورت کو اپنا اہم ترین فریضہ سمجھ کر رخصت چاہی تو آپ نے فرمایا کہ ذرا ٹھہرو۔ جس شخص کے نائب بن کر تم وہاں جا رہے ہو اس کی پوزیشن کے متعلق چند بنیادی نکتے ذہن میں رکھ کر وہاں جاؤ۔ ان کے سامنے میز پر قرآن کریم کے انگریزی ترجمہ کا نسخہ رکھا تھا۔ اسے ہاتھ میں لے کر فرمایا کہ میرا اس حقیقت پر ایمان ہے کہ اس کتاب عظیم میں دنیا اور آخرت کی زندگیوں کے متعلق مکمل ضابطے اور آئین موجود ہیں۔ تمدنی' معاشی اور اخلاقی' انمٹ اور دائمی قواعد موجود ہیں۔ عسکری تنظیم اور مملکت کے داخلی اور خارجی استحکام کے انمٹ قوانین موجود ہیں۔ لوگوں کی جان و مال و آبرو کی حفاظت کے ابدی ضوابط موجود ہیں۔ لیکن یہ قواعد اور ضوابط بالعموم اصولی حیثیت سے دیئے گئے ہیں جس کا مطلب یہ ہے کہ یہ اصول تو

ہمیشہ ہمیشہ کے لئے غیر متبدل رہیں گے لیکن ان پر عمل پیرا اپنے اپنے زمانے کے حالات کے مطابق ہوا جائے گا۔ اسلامی مملکت کا فریضہ یہ ہوگا کہ وہ ان پر عمل پیرا ہونے کے لئے قواعد وضوابط مرتب اور نافذ کرے۔ مثال کے طور پر' انہوں نے کہا' قرآن کریم میں یہ کہا گیا ہے کہ جرم کی سزا جرم کی نوعیت کے مطابق دی جائے۔ اس پر میں نے جرأت کرتے ہوئے کہا کہ آپ کے ذہن میں غالباً قرآن کریم کی وہ آیت ہے جس میں کہا گیا ہے۔ **جزآ و اسیئۃ سیئۃ مثلھا** (42:40) اس پر انہوں نے فوراً قرآن مجید کھولا اور اس آیت کو دیکھ کر فرمایا کہ بے شک یہی آیت میرے ذہن میں تھی۔ اس کے بعد کہا کہ دیکھو یہ ایک اصولی حکم ہے اور ابدی۔ یہ دیکھنا اسلامی مملکت کا کام ہوگا کہ معاشرہ کے عام حالات کی روشنی میں کس جرم کی سزا کیا ہونی چاہئے جو قرآن کے اس اصول کے مطابق ہو۔ سب سے پہلے رسولؐ اللہ نے یہ ضمنی قوانین مرتب فرمائے۔

اس پر میں نے پھر سلسلہء کلام منقطع کرتے ہوئے عرض کیا کہ حضورؐ نے ایسا کچھ خود اللہ تعالیٰ کے ارشاد کے مطابق کیا تھا جس کی رو سے کہا گیا تھا کہ **وشاورھم فی الامر** (3:158) انہوں نے پھر قرآن کریم کو کھولا اور اس آیت کو نکال کر کہا کہ بات بالکل واضح ہے۔ اگر قرآن مجید کے اصولی احکام کے جزئی قوانین مرتب کرنے کی اجازت نہ ہوتی تو مشاورت کا سوال ہی پیدا نہ ہوتا۔ اس کے بعد انہوں نے فرمایا کہ حضورؐ کے بعد امت کو بھی اسی طرح تدوین قوانین کرنی ہوگی۔ میں نے عرض کیا کہ اس کے لئے بھی خدا کا حکم موجود ہے جس میں کہا گیا ہے کہ **وامرھم شوری بینھم** (42:38) انہوں نے پھر قرآن کریم سے یہ آیت نکالی اور کہا کہ خدا کی یہ ہدایت ہماری راہنمائی کے لئے کس قدر واضح ہے اسلامی مملکت' جس کے لئے ہم کوشش کر رہے ہیں' کے آئین کی بنیاد یہی ہوگی۔

قائداعظمؒ ان باتوں میں مصروف تھے اور کمرے کا دروازہ باہر سے کھٹکھٹایا جا رہا تھا۔ کیونکہ مسلم لیگ کے اراکین ضروری کارروائی کے لئے مضطرب تھے۔ اس پر میں نے اٹھنا چاہا تو آپ نے فرمایا کہ اس سلسلے میں تمہیں کچھ نظائر معلوم ہوں تو مثال کے طور پر مجھے بتاؤ۔ میں نے عرض کیا کہ سورۃ الانفال کی پہلی آیت میں جنگ میں حاصل شدہ مال کے متعلق ایک اصولی حکم ہے کہ وہ مال ''اللہ اور رسولؐ'' کا ہوگا۔ تاریخ ہمیں بتاتی ہے کہ رسولؐ اللہ کے زمانے میں مختلف جنگوں میں حاصل شدہ مال غنیمت کی تقسیم مختلف انداز سے ہوئی۔۔ جنگ بدر کے خاتمہ پر ایک انداز سے' خیبر کی فتح کے بعد دوسرے انداز سے' جنگ حنین اور ہوازن میں جو بے شمار مال غنیمت ہاتھ آیا تو آپؐ نے صحابہ کرامؓ کے مشورہ سے وہ سارے کا سارا مال ان مجاہدین میں تقسیم کر دیا جو ابھی کچھ عرصہ سے فتح مکہ کے وقت حلقہ بگوش اسلام ہوئے تھے۔ اس پر بعض گوشوں میں کچھ باتیں بھی ہونے لگیں لیکن جب حضورؐ نے اس کی مصلحت سمجھائی تو وہ بیک زبان پکار اٹھے کہ رضینا یا رسولؐ اللہ۔ حضورؐ! ہم مطمئن ہیں۔

وہ ان تفصیلات کو بڑے جذب وانہماک سے سن رہے تھے۔ وہ اس گفتگو کے لئے زیادہ وقت دینا چاہتے تھے لیکن مسلم لیگ کی کارروائی کے اصرار پر انہیں اسے مختصر کرنا پڑا۔ میں اٹھا' تو فرمایا کہ جاتے جاتے ایک اور بنیادی نکتہ بھی ذہن میں لے کر جاؤ۔ کہا کہ میری نظر میں قرآن مجید کے فیصلے کے مطابق دو بدترین اور ناقابل معافی جرم ہیں۔ ایک شرک اور دوسرا تفرقہ۔۔ تفرقہ خواہ مذہبی پیشواؤں کے نام پر' خواہ سیاسی راہنماؤں کے نام پر ہو' وطنیت کے نام پر ہو' رنگ' نسل اور خون کے نام پر ہو' بہرحال جرم عظیم ہے۔ ان دونوں جرائم میں سے پہلے جرم (شرک) کی سزا اخروی زندگی میں ملے گی۔ لیکن دوسرے جرم (تفرقہ) کی سزا اس دنیا میں ذلت و

خواری، غلامی اور محکومی کی شکل میں ملے گی۔ اور آخرت میں اس سے بھی بدتر شکل میں' یاد رکھو! اللہ تعالیٰ نے تمام نوع انسان کو دو گروہوں میں تقسیم کیا ہے۔۔ ایک مومن اور دوسرے کافر۔۔ اسی کا نام دوقومی نظریہ ہے۔ مومنین کے اندر کسی بنیاد پر تفرقہ ناقابل معافی جرم قرار پائے گا۔ اس نکتے کو خاص طور پر ذہن میں رکھنا۔ جاؤ خدا حافظ۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

میں رخصت ہو کر آیا تو پہلی مرتبہ یہ احساس ہوا کہ یہ شخص جسے عام طور پر صرف ایک بیرسٹر سمجھا جاتا ہے اس کی اسلام کے بنیادی اصولوں پر کتنی گہری نگاہ ہے اور اس شخص کے متعلق یہ کہنا کہ اس کے ذہن میں اسلامیت کی چھینٹ تک دکھائی نہیں دیتی' کتنا بڑا کذب وافترا ہے۔ میں نے حسب الارشاد خطبہ تیار کیا اور کلکتہ چلا گیا۔ ہم چار دن وہاں رہے لیکن کیفیت یہ تھی کہ قائداعظمؒ جہاں بھی تھے ہم سے رابطہ قائم کئے رہے اور تفصیلات معلوم کرتے رہے۔۔ آخری اجلاس ختم ہونے سے پہلے ان کی طرف سے تنظیم کے متعلق بھی ضروری ہدایات موصول ہو گئیں اور قراردادوں کے سلسلے میں بھی۔

ان قراردادوں میں یہ کہا گیا تھا کہ :-

(1) تحریک پاکستان کی بنیاد دوقومی نظریہ پر ہے جو قرآن مجید کا عطا فرمودہ غیر متبدل اصول ہے۔

(2) اگر خدا نے تحریک پاکستان کو کامیابی عطا فرمائی تو اس سرزمین میں حضور خاتم النبیینؐ کی طرز پر حکومت قائم ہو گی' جس کا نام خلافت علیٰ منہاج نبوت ہو گا۔ بالفاظِ دیگر اس حکومت کے ہر دائرے میں قرآن حکیم کی حکمرانی ہو گی۔

(3) اکھنڈ بھارت کی اسکیم کا مردانہ وار مقابلہ کیا جائے گا اور اسے کسی صورت میں بھی قبول نہیں کیا جائے گا۔

یہ (اور ان کے علاوہ کچھ تنظیمی قراردادیں) اس مردِ مومن کی ہدایات کے مطابق مرتب اور منظور کی گئیں جسے ایک گوشے سے ''کافر اعظم'' کہہ کر پکارا جاتا تھا اور دوسرے گوشے سے یہ آواز بلند کی جاتی تھی کہ اس کی اسکیم کے مطابق جو مملکت قائم ہو گی اس میں حکومت ہندوؤں کی کافرانہ حکومت سے بھی بدتر ہو گی۔

تشکیل پاکستان کے بعد قائداعظمؒ کے پیش نظر سب سے پہلا اور سب سے اہم مقصد اس سرزمین کی سرحدوں کا تحفظ تھا اور جن لوگوں کی آنکھوں پر حسد اور تعصب نے پٹی نہیں باندھ دی' انہیں اچھی طرح سے معلوم ہے کہ ایسا کرنا خود قرآن مجید ہی کے ارشاد کی تعمیل میں تھا۔ وہ تشکیل پاکستان کے بعد ایک سال تک زندہ رہے۔۔ زندہ کیا' یوں کہئے کہ صرف سانس لیتے رہے اور جس مہلک مرض کا وہ شکار ہو گئے تھے اسے ایک راز کی طرح سینے میں چھپائے رکھا۔ لیکن اس ایک سال کے عرصہ میں انہوں نے اندرون ملک کی تنظیم اور بیرونی خطرات کی مدافعت کے سلسلے میں جو کچھ کیا اسے دیکھ کر حیرت ہوتی ہے کہ اس قدر نحیف ونزار مریض شخص' محض قوت ایمانی کے بل بوتے پر کیا کچھ کر سکتا ہے۔ میں مختلف مکتبوں اور دارالعلوموں میں تعلیم حاصل کرتا رہا۔ بڑی بڑی نامور ہستیوں سے شرف تلمذ اور تعارف حاصل رہا۔ میں نے سیاسی لیڈروں کو بھی دیکھا اور مذہبی رہنماؤں کو بھی۔ لیکن مجھے پوری زندگی میں قائداعظمؒ سے بڑھ کر کوئی شخصیت متاثر نہ کر سکی۔ میں نے ہر ایک کو ان سے کمتر پایا۔۔ بلندیٔ کردار کے اعتبار سے بھی اور قرآنی بصیرت کے نہج سے بھی۔ اس قسم کے انسان صدیوں میں جا کر پیدا ہوتے ہیں۔ جو لوگ ان کے خلاف آج ہذیان بک رہے ہیں' انہیں معلوم ہونا چاہئے کہ چاند پر تھوکا' خود اپنے منہ پر آیا کرتا ہے۔ ان میں سے کوئی ایک تو کجا' سب مل کر بھی اس بطلِ جلیل کے غبارِ راہ تک بھی نہیں پہنچ سکتے۔ اللہ اسے اپنے سحاب کرم کے سائے میں رکھے۔

والسلام۔ خاکسار۔ غلام مرشد (سابق خطیب بادشاہی مسجد لاہور) 66-1935ء

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حکیم محمد سعید (مرحوم)

قرآن کی حکومت

اس کرۂ ارض پر مختلف اور متعدد اقوام وملل آباد ہیں۔ کب سے آباد ہیں، یہ ہم میں سے کوئی صحیح نہیں جانتا۔ کب تک آباد و قائم رہیں گی؟ کوئی نہیں کہہ سکتا کہ فیصلہ غیب کیا ہے، ان اقوام وملل کی بہرحال ایک تاریخ ہے۔ یہ انسانی تاریخ کیا ہے؟ اس سوال کا جواب اگر یہ دیا جائے تو بجا ہوگا اور درست، کہ اقوام وملل نے اپنے ہر دور میں اور پورے تسلسل کے ساتھ اپنی آزادی اور اپنی حریت فکر کے لیے جو جدوجہد کی ہے ہر انسانی تاریخ اس کی ایک داستان مسلسل ہے۔ انسانی تاریخ کے آپ کسی بھی دور میں چلے جائیے۔ یہ دور غاروں کا دور ہو یا جھونپڑیوں یا محلات کا، کاغذ کا دور ہو یا دھاتوں یا پتھروں کا دور ہو آپ دیکھیں گے کہ ہر دور میں انسانی تمدن کے انداز بدلے ہیں، ثقافت کے نقشے نئے نئے قائم ہوئے ہیں۔ افکار وحوادث کے نئے رنگ قائم ہوئے ہیں، خیالات میں انقلابات آئے ہیں۔ اس کے باوجود تاریخ انسانی کے ہر دور میں ایک قدر مشترک ہر قوم وملت میں رہی ہے اور وہ یہ کہ تضادات و تباین کے باوجود اور اختلاف وتنوع کے باوصف انسانی شعور نے جب سے آنکھ کھولی ہے اس نے ہمیشہ اور ہر حال میں اور ہمہ وقت آزادی کی حمد وستائش کی ہے اور اپنی آزادی کو قائم اور باقی رکھنے کی جہد مسلسل اور سعی کامل کی ہے۔ اس جہد مسلسل اور سعی کامل کا نام تاریخ انسانی ہے۔

ہندوستان میں جب تحریک آزادی نے جنم لیا اور برطانوی استعمار کے خلاف اہل وطن جب صف آراء ہوئے تو اس وقت تحریک آزادی کا مفہوم ومنتہا اور مقصود یہ تھا کہ برطانوی استعمار اور انگریز کی طاقت کو پاش پاش کر دیا جائے اور اس کی جگہ اپنی حکومت قائم کی جائے۔ اس تحریک میں برصغیر کی تمام قومیں شریک تھیں۔ اس موقع پر شاعرِ مشرق حکیم الامت علامہ اقبالؒ نے مسلمانوں کی رہنمائی قرآن کی روشنی میں کی۔ علامہ اقبالؒ نے مغرب کے جمہوری نظام کو اسلام کے خلاف سازش قرار دیا۔ انہوں نے فرمایا کہ مغرب کا جمہوری نظام استبداد ملوکیت کی ایک نقاب پوش شکل ہے، اس میں نوعِ انسانی کبھی آزادی سے ہم کنار نہیں ہو سکتی۔ دوسرے یہ کہ یہ مغربی اندازِ فکر اور مغربی نظامِ جمہوریت اسلام کی ضد ہے اس لیے اس میں انسان کو وہ آزادی میسر نہیں آ سکتی کہ جو اسے اسلام عطا کرتا ہے۔ اس مغربی نظام جمہوریت نے اور اشتراکیت نے یہ آوازہ بلند کیا کہ اقتدار کا سرچشمہ عوام ہیں، انہی کو حق حکومت پہنچتا ہے۔ مگر قرآن کریم اس

مفروضے کو باطل قرار دیتا ہے۔ قرآن کے نزدیک کسی انسان کو یہ حق حاصل نہیں ہے کہ وہ دوسرے انسانوں کو اپنا محکوم بنائے۔ اس صورت حال میں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ حق حکومت اگر کسی انسان کو حاصل نہیں ہے تو پھر یہ حق کسے حاصل ہے؟ قرآن انسانوں کی تمدنی زندگی کے لیے نظام حکومت ضروری قرار دیتا ہے' لیکن اس کا کہنا یہ ہے کہ حکومت کا حق صرف اللہ کو حاصل ہے۔

ان الحکم الا للہ ﴿الانعام : 57﴾

ترجمہ۔ وہ اپنے حق حکومت میں کسی کو شریک نہیں کرتا۔

لا یشرک فی حکمہ احدا۔ ﴿الکھف:26﴾

اس اساس پر اور اس بناء پر۔

امر الا تعبدوا الا ایاہ۔ ﴿یوسف : 40﴾

اس نے حکم دیا ہے کہ اس کے سوا کسی کی محکومیت اختیار نہ کی جائے۔

ذلک الدین القیم ولکن اکثر الناس لا یعلمون۔ ﴿یوسف : 40﴾

''یہی محکم نظام حیات ہے' لیکن اکثر لوگ' اس بات کو نہیں سمجھتے۔''

اور وہ انسانی حکومتوں کی ہیئت بدل کر مطمئن ہو جاتے ہیں کہ ہم نے غلامی کی زنجیریں کاٹ دی ہیں اور آزادی کا سانس لے لیا ہے۔

قرآن واضح الفاظ میں اور ذرہ برابر کسی ابہام کے بغیر کہتا ہے کہ حکومت اللہ کی کتاب یعنی قرآن حکیم کے ذریعہ سے قائم ہوگی جس میں کسی انسان کو دخل نہ ہوگا' کیوں کہ اللہ اپنے اختیارات کسی کو تفویض نہیں کرتا۔ اس حقیقت کی توضیح کے لیے خود زبان نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کہلوایا:

افغیر اللہ ابتغی حکما و ھو الذی انزل الیکم الکتب مفصلا۔ ﴿الانعام : 114﴾

یعنی۔ ''کیا تم لوگ چاہتے ہو کہ اللہ کے سوا کسی اور حاکم کی طلب و جستجو کروں' حال آنکہ اس نے اپنی کتاب نازل کر دی ہے کہ جو مفصل ہے۔''

برصغیر کے مسلمان' تحریک آزادی میں شریک ہوئے اور اس جدوجہد آزادی میں اس نظریہ اساس کے ساتھ مستعد و متحرک ہوئے کہ وہ پاکستان قائم کریں گے جہاں قرآن کی حکومت قائم ہو گی اور اللہ کا قانون نافذ ہوگا۔ ان کے پاس جذبہ صادق تھا' ان کا ایمان کامل تھا اور یقین محکم۔ دنیا کی ہر بڑی طاقت مسلمانان برصغیر کے جوش ایمانی کے سامنے زیر ہو گئی اور غیر ملکی استعمار نے ہار مان لی۔

برادران وطن! یہ عجیب اور حیرت انگیز حقیقت ہے اور کرشمہ الٰہی ہے کہ پاکستان ٹھیک اس دن عالم وجود میں آیا اور منصہ شہود پر جلوہ گر ہوا کہ 27/رمضان المبارک تھی' یوم نزول قرآن تھا! بے شک یہ اللہ تعالیٰ کا حکم تھا' یہ نظام الٰہی تھا کہ پاکستان ایسے دن قائم ہوا کہ جو تمام عالم اسلام کے نزدیک مبارک و متبرک ہے اور جس کی عظمت و تقدس پر سارا عالم اسلام متفق و متحد ہے۔ درحقیقت یہ بڑا اہم فیصلہ تھا' کیوں کہ منشائے الٰہی یہی تھا کہ پاکستان قائم ہو اور اس میں حکومت قرآن قائم ہو۔ 27/رمضان' یوم نزول قرآن ہے۔ اس یوم مبارک کے بارے میں قول فیصل ہے اور حرف آخر کہ اسلام اور عالم اسلام کے لیے یہ تاریخ ساز دن ہے۔ اس دن قرآن کریم نازل ہوا اور اس لیے نازل ہوا کہ اس کرہ

ارض کی ہر تاریکی کو روشنی سے منور کر دے اور ہر باطل کو مٹا کر حق کو قائم کر دے اور اس کرۂ ارض پر اللہ کے قانون کی حکمرانی ہو۔

قرآن کریم میں اللہ کے سوا ہر طاقت کو طاغوت کہا گیا ہے' اور کفر اور ایمان کے اس فرق کو ان الفاظ میں بیان کیا گیا ہے:

''جو اللہ پر ایمان لایا اور اس نے طاغوت سے کفر برتا تو اس نے ایسا محکم سر رشتہ تھام لیا جو کبھی نہیں ٹوٹ سکتا۔''

(البقرۃ : 256)

اس ارشاد باری تعالیٰ کی روشنی میں ہمیں یہ غور کرنا چاہئے کہ وہ لوگ جو دعویٰ کرتے ہیں کہ کتاب اللہ پر ایمان لائے' لیکن عملاً ان کا حال یہ ہے کہ وہ چاہتے ہیں کہ اپنے مسائل و معاملات کے فیصلے طاغوت سے کرائیں حال آنکہ انہیں حکم دیا گیا کہ وہ طاغوت سے کفر برتیں۔ ایسے لوگ صحیح راہ پر نہیں ہیں۔ وہ ایک سانس میں اللہ کے قانون کی بات کرتے ہیں' مگر دوسرے میں اس کی نفی کرتے ہیں۔ ان کا قلب و ایمان متزلزل ہے' حال آنکہ واقعہ یہ ہے کہ اللہ کے کلمات (قوانین الٰہی) صدق و عدل کے ساتھ مکمل ہو گئے۔ یہ قوانین غیر متبدل ہیں۔ یوم آزادی مناتے وقت ہم کو ایک تاریخ ساز فیصلہ کرنا ہے کہ

☆ پاکستان میں اقتدار اعلیٰ قرآن مجید و فرقان حمید کو حاصل ہوگا۔

☆ مملکت پاکستان کا فریضہ قرآنی احکام و قوانین کو عملاً نافذ کرنا ہوگا۔

☆ پاکستان کا ہر فرد احکام قرآن کے مطابق زندگیوں کو ڈھالے گا اور پیروی اور اتباع سنت رسول کرے گا۔

☆ اور ایک ایسا قرآنی نظام شوریٰ قائم کیا جائے گا کہ جو بازی گری سیاست اور مذہبی فرقہ بندیوں سے ماوراء ہوگا۔

(بشکریہ ہمدرد صحت' اگست ۱۹۹۸ء)

ضرورت رشتہ

شیخ گھرانے کی 22 سالہ کینیڈین لڑکی کے لئے جو اس سال B.Sc کے آخری سال میں ہے' رشتہ درکار ہے۔ لڑکے کی عمر 27 سال تک ہو اور وہ کمپیوٹر انجینئر یا اکاؤنٹنگ میں تعلیم یافتہ ہو۔ کینیڈا یا امریکہ میں رہنے والوں کو ترجیح دی جائے گی۔ خواہش مند حضرات مندرجہ ذیل پتہ پر بذریعہ خط و کتابت رابطہ قائم کریں۔

M.Shaikh
P.O. Box 24535, 1155-Boul.
Rome, Brossard, Quebec,
J4W 3J1, CANADA

بسم اللہ الرحمن الرحیم

شیخ محمد عبدہؒ کی اصلاحی تحریک

(محترم محمود الحق صاحب۔ ریسرچ اسسٹنٹ۔ ادارہ علوم اسلامیہ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ)

(انیسویں صدی عیسوی میں عالم اسلامی کی جن ممتاز ہستیوں نے ملت اسلامیہ کی نشاۃ ثانیہ کے لئے مسلسل کوشش کی، ان میں ایک طرف سرسیدؒ اور دوسری طرف سید جمال الدین افغانیؒ اور ان کے شاگرد رشید مفتی محمد عبدہؒ کے اسمائے گرامی سرفہرست دکھائی دیتے ہیں۔ مفتی عبدہؒ کا تعارف ہمارے ہاں کچھ زیادہ نہیں ہوا۔ ہم اس ضمن میں ایک سلسلہ مضامین شائع کرنا چاہتے تھے کہ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کے مجلہ اسلامیہ کی اشاعت بابت جون 1962ء میں ذیل کا مقالہ ہماری نظر سے گذرا جسے ہم مجلہ مذکور کے شکریہ کے ساتھ درج کرتے ہیں۔ واضح رہے کہ اس مقالہ کی اشاعت سے ہمارا مقصد مفتی عبدہؒ کا عمومی تعارف ہے۔ ان کی مساعی کا تنقیدی جائزہ نہیں۔ نہ ہی یہ ضروری ہے کہ ہم مفتی مرحوم کے تمام خیالات سے متفق ہوں یا صاحب مقالہ کے خیالات سے۔ طلوع اسلام)۔

انیسویں صدی کے اواخر اور بیسویں صدی کے اوائل میں جب دنیائے اسلام پر مغرب کا اثر و اقتدار بڑھا تو مسلم معاشرہ شدید بحران میں مبتلا ہو گیا۔ ایشیاء کا وہ سماجی ڈھانچہ جو ازمنہ وسطیٰ سے قائم تھا نشو و ارتقاء کی ساری صلاحیتیں کھو چکا تھا اور یاس و مجہولیت کے سوا زندگی کی کوئی رمق باقی نہیں رہی تھی۔ اس کے برعکس سرمایہ دارانہ نظام پر مبنی مغرب کا طاقتور صنعتی سماج جدید سائنس اور ٹیکنالوجی سے لیس تھا اور اس کی بنیاد نئی پیداواری قوتوں پر تھی۔ چنانچہ جب ان تہذیبوں کا ٹکراؤ ہوا تو مسلم معاشرے کے کھوکھلے پن کا بے نقاب ہونا ناگزیر تھا۔ مسلمانوں کی تاریخ میں یہ واقعہ اپنے اثرات و نتائج کے اعتبار سے بالکل نیا اور سابقہ تمام تجربوں سے مختلف تھا۔ اب زندگی کا کوئی پہلو مغربی اثرات کی زد سے محفوظ نہ رہ سکا۔ جہاں تک مذہبی زندگی کا تعلق ہے، مغربی علوم اور سائنس کی پیش قدمی نے مسلمانوں (خصوصاً جدید تعلیم یافتہ نوجوان طبقے) کے دلوں میں طرح طرح کے شبہات پیدا کر دیئے اور ان کے مذہبی معتقدات متزلزل ہونے لگے۔ اب پیچ در پیچ مقدمات، منطقی اصطلاحات اور فقہی توجیہات کے لئے کوئی گنجائش باقی نہ رہی۔ سیاسی طور پر مسلم ممالک اپنے پڑوسی ایشیاء کے دوسرے ممالک کی طرح عام طور پر مغربی استعمار کی جارحانہ سیاست کا شکار ہو گئے اور ان کی آزادی، محکومی یا نیم محکومی میں منتقل ہو گئی۔

یہ تھا جدید اصلاحی تحریکات کا عام پس منظر، بہر حال

اصلاح وتجدید کے تقاضے جس قدر شدید تھے علمائے اسلام نے انہیں اسی شدت سے نظر انداز کر دیا اور ازمنہ وسطیٰ کی ان روایات ہی کی ترجمانی کرتے رہے جنہیں انہوں نے تقدس کا درجہ دے دیا تھا۔ ان قدامت پسندوں کا عقیدہ تھا کہ ماضی سے جو کچھ ترکہ حاصل ہوا ہے وہ مقدس اور ناقابل تغیر ہے۔ اس میں کسی قسم کی ترمیم کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ یہی نہیں بلکہ انہوں نے ''تحفظ دین'' کے نام پر روشن خیالی اور فکری آزادی کی ہر کوشش کو ہدف ملامت بنایا۔ یہی وہ حالات تھے جب دنیائے اسلام کے متعدد گوشوں سے مسلم مصلحین نے آواز بلند کی اور مسلمانوں کو یاس وناامیدی کی فضا سے نکالنے اور زندگی کی بدلی ہوئی قدروں کے مطابق نئے تقاضوں سے روشناس کرنے کے لئے اصلاحی تحریکوں کا آغاز کیا۔ ان اصلاحی تحریکوں میں شیخ محمد عبدہؒ کی تحریک کو خصوصی اہمیت حاصل ہے' کیونکہ وہ پہلے شخص تھے جنہوں نے جدید اسلام کو انسان دوستی (Humanism) کی روایات سے متعارف کرنے کی سنجیدہ کوشش کی۔

محمد عبدہؒ کی تعلیمات کا تجزیہ کرنے سے پہلے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ان کے مشفق استاد اور مربی سید جمال الدین افغانیؒ (1839-1898) کا مختصر تعارف کرایا جائے جنہیں نہ صرف شیخ محمد عبدہؒ کے اندر اصلاح وتجدید کا جذبہ پیدا کرنے میں بہت زیادہ دخل تھا 1 بلکہ جو مصر اور دنیائے اسلام میں قومی بیداری اور اصلاحی تحریکات کے سب سے بڑے محرک مانے جاتے ہیں۔ جمال الدین افغانیؒ مسلم معاشرے کی مردہ رگوں میں زندگی کی ایک نئی لہر دوڑانا چاہتے تھے اور اسی مقصد کے حصول میں انہوں نے اپنی ساری زندگی وقف کر دی۔ جمال الدین افغانی کا خیال تھا کہ مسلم ممالک ایک دفعہ مغربی تسلط اور ان کے دست برد سے چھٹکارا حاصل کر لیں اور اسلام میں ایسی اصلاحات نافذ کر دی جائیں جن سے زمانہ حاضرہ کے تقاضوں کی تکمیل کی جا سکے تو مسلمان بھی مغربی اقوام کی طرح ایک جدید اور شاندار نظام زندگی کی تعبیر کر سکتے ہیں۔ غرضیکہ جمال الدین مسلمانوں کی سیاسی بیداری کو مقدم سمجھتے تھے اور اپنے مقاصد کو سیاسی انقلاب کے ذریعہ حاصل کرنا چاہتے تھے۔ اگرچہ ان کی تمام تر مساعی سیاسی تھیں لیکن یہ سمجھنا غلط ہوگا کہ ان کی تحریک میں اصلاحی پہلو کا فقدان تھا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ جمال الدین ایک ہمہ گیر شخصیت کے مالک تھے۔ انہوں نے جس بیداری کا آغاز کیا اس کا اثر تقریباً زندگی کے ہر پہلو میں محسوس کیا گیا۔ ان کے بے شمار مصری شاگردوں میں سے کچھ نے تو ان کے سیاسی مسلک کو اپنایا جن میں احمد ندیم اور ادیب اسحٰق کے نام خاص طور پر مشہور ہیں لیکن ان کی تعلیمات کے اخلاقی پہلو کو ان کے لائق ترین شاگرد شیخ محمد عبدہؒ نے پروان چڑھایا اور مصر میں جدید اصلاحی تحریک کی بنیاد ڈالی۔ خود محمد عبدہؒ اپنی زندگی کے ابتدائی دور میں سید جمال الدین افغانی کے سیاسی مسلک پر چلتے رہے اور ملک کی سیاسی سرگرمیوں میں حصہ لیتے رہے۔ 1882ء کی ''عربی بغاوت'' میں انہوں نے ایک سچے محبِ وطن اور مجاہد کی طرح حصہ لیا اور وہ جلاوطن کئے گئے۔ بالآخر خصوصاً یورپ سے واپسی کے بعد وہ اس نتیجہ پر پہنچے کہ تدریجی اصلاح اور تعلیم ہی کے ذریعہ مسلمانوں کی حالت سدھاری جا سکتی ہے جو انجام کار سیاسی آزادی پر منتج 2 ہو گی۔ اس طرح شیخ محمد عبدہؒ سیاست سے کنارہ کش ہو گئے اور اصلاحی کاموں میں ہمہ تن منہمک ہو گئے۔ لیکن اس مقصد کے حصول کے لئے سرسید احمد خاںؒ کی طرح انہوں نے بھی انگریزوں کا تعاون 3 حاصل کرنا ضروری سمجھا۔ یہاں یہ کہنا غیر مناسب نہ ہوگا کہ شیخ محمد عبدہؒ اپنے ملک کے سیاسی تقاضوں سے بہت حد تک بے خبر ہو گئے

اور قومی آزادی کی جدوجہد کو آگے بڑھانے کی بجائے کسی حد تک برطانیہ کی استعماری سیاست کے شکار ہو گئے اور انگریزی حکومت کی رواداری، آزادی اور شائستگی کے گن گانے لگے اور اس کے تاریک پہلو کو نظر انداز کر دیا۔ بہرحال اس سیاسی غلطی کے باوجود شیخ محمد عبدہؒ نے زندگی کے دوسرے میدان میں جو اہم کارنامے انجام دیئے ہیں وہ ان کی عظمت کے ضامن ہیں۔

ہندوستان میں سرسید احمدؒ خاں اور مصر میں شیخ محمد عبدہؒ کی تعلیمات کے زیر اثر جو اصلاحی تحریکیں وجود میں آئیں ان سب کا محرک ایک ہی تھا۔ یعنی مسلمانوں کے اندر سے صدیوں کے جمود و تعطل کو ختم کرنا اور انہیں جدید مغربی تہذیب کی برکتوں سے فیض حاصل کرنے کے لئے آمادہ کرنا اور اس مقصد کے حصول کے لئے مذہب کی تعبیر میں ضروری اصلاح و ترمیم کرنا تاکہ اسلام خود بھی زندہ ہو جائے اور پست حال مسلمانوں کو زندہ کرنے کا باعث بھی بن سکے۔

باوجود اس کے کہ ان دونوں مکاتب فکر کا تاریخی مشن ایک تھا۔ پھر بھی ان کا زاویہء نظر ایک دوسرے سے مختلف ہے۔ یہ کہنا صحیح ہوگا کہ سرسید احمد خاںؒ نے اسلام کو مغرب کے نقطہ نظر سے دیکھا اور محمد عبدہؒ نے مغرب کو اسلام کے نقطہ نظر سے دیکھا۔ سرسید کی تعلیمات میں معذرت خواہانہ انداز کا غلبہ زیادہ ہے۔ وہ اسلام کو عصر حاضر کی مغربی تہذیب کے مطابق ڈھالنے کی ہر ممکن یا ناممکن کوشش کو روا رکھتے ہیں۔ اس کے برعکس شیخ محمد عبدہؒ ایک مخصوص حد سے آگے نہیں بڑھتے۔ وہ سلف کے مسلک پر چلنے کی کوشش کرتے ہیں اور اسلام کی تعبیر اس طرح کرتے ہیں کہ ان کا اصلاحی مقصد (جو درحقیقت ان کی تحریک کی امتیازی خصوصیت ہے) نظر سے اوجھل نہیں ہوتا۔ ان دو مکاتب اصلاح کے پس منظر کا تذکرہ کرتے ہوئے ایک ڈچ مصنف (Baljon) نے لکھا ہے کہ محمد عبدہؒ ایک ایسے مذہبی ماحول کے پروردہ تھے جہاں الٰہیاتی علوم سے گہری واقفیت ایک عالم کے لئے ضروری سمجھی جاتی تھی۔ اس کے برخلاف سرسید احمد خاںؒ شرفاء کے ایک ایسے خاندان سے تعلق رکھتے تھے جو مغل دربار سے وابستہ تھا۔ جہاں ایرانی تہذیب کا گہرا اثر تھا اور جسے عام پسندیدگی حاصل تھی۔ 4

سرسید کا خیال تھا کہ ہندوستانی مسلمان جب تک زندگی کے رہن سہن، طور طریقے اور کھانے پینے میں حکمران طبقے کے رنگ میں نہ رنگ جائیں گے اس وقت تک ان کا احساس کمتری دور نہ ہوگا اور نہ انگریز انہیں عزت کی نظر سے دیکھیں گے۔ اس کے برعکس شیخ محمد عبدہؒ کا خیال تھا کہ پوری قوم کو معاشرتی پستی سے نکالنے اور تہذیب و تمدن کی بلند سطح پر اٹھانے کا مطلب یہ ہرگز نہیں ہے کہ مغربی تہذیب کا سطحی علم حاصل کر لیا جائے اور ان کی اندھی نقالی کی جائے۔ 5 مشہور برطانوی فلسفی ہربرٹ اسپنسر (Herbert Spencer) سے محمد عبدہؒ کی جو گفتگو ہوئی۔ 6 اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ مغرب کی بڑھتی ہوئی ''مادیت'' کے کس قدر شاکی تھے۔ لیکن چونکہ ان کے اندر سائنسی نقطہء نظر کی کمی تھی اس لئے انہوں نے مذہبی روح کے فقدان کو اس کا اصل سبب قرار دیا اور اس حقیقت کے سمجھنے سے قاصر رہے کہ یورپ کی یہ مادی ہوس دراصل اس سرمایہ دارانہ نظام کا لازمی نتیجہ تھی جو یورپ میں رائج تھا۔ بایں ہمہ محمد عبدہؒ کو اس امر کا احساس ضرور تھا کہ مغربی معاشرہ سرمایہ داروں اور مزدوروں پر مشتمل دو متخاصم طبقوں میں منقسم ہے۔ جس کی وجہ سے خرابیاں پیدا ہو رہی ہیں۔ 7

محمد عبدہؒ نے اسلام کی تاویل اس زاویہء نظر سے کی جو یورپ میں اٹھارویں اور انیسویں صدی کے درمیان سیکولر علوم کے

فروغ پانے کے سبب پیدا ہوا تھا۔ انہوں نے اسلام کی تقریباً وہی تصویر پیش کی جو اس سے پہلے سرمایہ دارانہ یورپ میں مسیحیت نے اختیار کی تھی۔ انہوں نے یہ ثابت کرنے کی پوری کوشش کی کہ مسیحیت نہیں بلکہ اسلام ہی وہ واحد مذہب ہے جو تہذیب حاضرہ کی روح کے عین مطابق ہے۔ ان کے نزدیک اسلام کے ''عالمگیر'' مذہب ہونے کا ثبوت یہ ہے کہ اس میں ایسی صلاحیت موجود ہے کہ یہ ہر زمانہ اور ہر ثقافتی دور سے مطابقت پیدا کر سکتا ہے۔ شیخ محمد عبدہٗ نے مسیحی مصنفوں کے اس دعویٰ کی شدت سے تردید کی کہ یورپ کی جدید (بورژوا) تہذیب نصرانیت کی رہین منت ہے' اس لئے کہ نصرانیت نے سائنس کی جانب جو روادارانہ رویہ اختیار کیا اسی کے باعث یورپ میں سائنس کو فروغ حاصل ہوا اور اس کے نتیجے میں تہذیب حاضرہ وجود میں آئی۔ 8 محمد عبدہٗ کا کہنا ہے کہ سولہویں صدی میں یورپ میں جو سائنسی اور صنعتی ترقی ہوئی وہ درحقیقت اسلام کی تعلیمات کا نتیجہ تھی۔ 9 انہوں نے یہاں تک کہا کہ سوائے مسئلہ انکار نبوت کے' اسپرٹ کے لحاظ سے پروٹسٹنٹ (Protestants) اوائل اسلام کے مسلمانوں سے مشابہ ہیں۔ 10 شیخ عبدالمجید سلیم (سابق شیخ الازہر اور شیخ محمد عبدہٗ کے شاگرد) کہتے ہیں کہ یورپ سے لوٹنے کے بعد محمد عبدہٗ نے ان سے کہا:

''میں یورپ گیا اور دیکھا کہ لوگ نام سے مسلمان نہیں ہیں لیکن عمل سے مسلمان ہیں۔ میں واپس آیا اور دیکھا کہ لوگ نام سے مسلمان ہیں لیکن عمل سے مسلمان نہیں۔'' 11

درحقیقت جدید اصلاحی تحریک یورپ کی لبرل تحریک کی دین ہے۔ مسلم مصلحین کی عموماً تمام تر توجہ اس جانب تھی کہ اسلام کو ان ''بورژوا لبرل خیالات'' کی روشنی میں پیش کیا جائے جو انیسویں صدی میں یورپ میں پیدا ہوئے تھے۔ غرضیکہ جس طرح پہلے یہ قدریں مسیحیت کا لازمی جز بن گئی تھیں اب اسلام کا لازمی جز بن گئیں۔ حالانکہ جیسا پروفیسر کینٹول اسمتھ (Cantwell Smith) نے واضح کیا ہے جاگیری عہد میں یہ قدریں ان دونوں مذاہب میں سے کسی کا جزو لاینفک نہ تھیں۔ نہ تو ازمنہ وسطیٰ میں مسیحیت کا اور نہ اٹھارویں صدی میں اسلام کا۔ 12

اس میں کوئی شک نہیں کہ محمد عبدہٗ کی تعلیمات میں احیائی میلانات بھی پائے جاتے ہیں 13 اور وہ غالباً اسلام کی بھی باتیں کرتے ہیں۔ 14 لیکن یہ ان کی تعلیمات کا محض ایک پہلو ہے۔ شیخ محمد عبدہٗ کی ساری تعلیمات اور ان کی زندگی بھر کے کارناموں کا جائزہ لینے کے بعد جو چیز نمایاں ہو کر سامنے آتی ہے وہ ان کا اصلاحی اور اخلاقی پہلو ہے۔ اگرچہ وہ مذہب کی اصلاح کرنا چاہتے تھے تاکہ اسے قبول عام کی سند حاصل ہو جائے اور اسلام کے ابتدائی دور کی عظمت کو بحال کیا جا سکے لیکن ان کا سب سے بڑا کارنامہ یہ ہے کہ انہوں نے عقل کی حاکمیت پر بہت زور دیا اور روشن خیالی کی تلقین کی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مذہب کا کٹر پن اور احیائی رجحان کمزور ہوا۔ مغربی علوم' سائنس اور لبرل خیالات کی ترویج و اشاعت کے لئے زمین ہموار ہوئی۔ محمد عبدہٗ کی تعلیمات کو صحیح طور پر سمجھنے کے لئے ضروری ہے کہ ہم اسے اسی زاویہ نظر سے دیکھیں۔ اس وقت یہ ممکن ہو سکے گا کہ ان کی اصلاح پسندی پر مذہبیت کا جو پردہ پڑا ہوا ہے اسے علیحدہ کر کے تاریخ میں ان کا صحیح مقام متعین کیا جائے۔

اگرچہ محمد عبدہٗ کے نزدیک مسلمانوں کو پستی سے باہر نکالنے کا واحد علاج یہ تھا کہ مسلمان قرون اولیٰ کے اسلام کی طرف لوٹ جائیں جسے وہ حقیقی اسلام کہتے تھے مگر اس میں تنگ نظر اور کٹر پسندی کو دخل نہیں تھا۔ ان کا حقیقی اسلام نہ صرف جدید تقاضوں کا

منافی نہیں ہے بلکہ اس سے ہم آہنگ ہے۔ جیسا کہ (C.Adams) کا خیال ہے محمد عبدہٗ ایک طرف دین کی اصلاح کرنا چاہتے تھے تو دوسری طرف وہ چاہتے تھے کہ عوام کو اس بات پر آمادہ کیا جائے کہ وہ اس خالص دین کو خلوص قلب اور پرجوش طریقے پر مانیں اور عمل کریں۔15 درحقیقت وہ اسلام میں ایک نئی روح پھونکنا چاہتے تھے تاکہ اس کی طاقت سے مسلم عوام کو پسماندگی اور زبوں حالی کی سطح سے اوپر اٹھایا جائے۔ شیخ محمد عبدہٗ کا خیال تھا کہ مسلمانوں کو اپنے مذہب کے ساتھ جو وابستگی اور عقیدت ہے اسے اصلاحی مقصد کے لئے استعمال کرنا چاہئے۔ اس لئے کہ مذہب ان کے خیال میں موثر ترین ذریعہ ہے۔ ادب وحکمت کے ذریعہ یہ کام انجام نہیں دیا جاسکتا۔ اس لئے عملی صورت یہی ہے کہ مذہبی بنیادوں پر اصلاح کی عمارت تعمیر کی جائے۔16

عام طور پر کہا جاتا ہے کہ شیخ محمد عبدہٗ کا مشن مذہبی تھا اور یہ کہ انکی تحریک کی عمومی نوعیت دینی اصلاح کی تھی۔ یہ بات ایک مخصوص حد تک تو صحیح ہے لیکن اگر ہم ان کی تمام تعلیمات اور ان کی زندگی بھر کی گوناگوں مصروفیات پر نظر ڈالیں تو یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ ان کی اس تحریک کی نوعیت بنیادی طور پر اصلاحی تھی۔ انہیں اپنی زندگی میں جو بھی مواقع ملے ان کو انہوں نے اصلاح معاشرہ کے حصول کا ذریعہ بنالیا۔ طالب علمی کے زمانے سے ہی جب کہ وہ جامعہ ازہر میں تعلیم حاصل کر رہے تھے اصلاح معاشرہ کا خیال ان کے دل میں جاگزیں تھا اور وہ اپنے ہم وطنوں کی زبوں حالی پر دل ہی دل میں کڑھتے تھے۔ مسلم معاشرے پر جمود وتعطل کا جو گہرا اثر تھا اس سے ناامید ہو کر وہ ایک دفعہ تصوف کی پناہ گاہ میں پہنچ گئے مگر ان کے چچا شیخ درویش 18 نے انہیں روحانیت کی بھول بھلیوں سے نکالا۔ جیسا کہ اوپر کہا گیا۔ شیخ محمد عبدہٗ کو زندگی کے ضروری مسائل کی جانب متوجہ کرنے میں سید جمال الدین افغانی کو بہت زیادہ دخل تھا انہوں نے ہی شیخ محمد عبدہٗ اور اپنے دوسرے شاگردوں کو پریس کی اہمیت جتائی اور انہیں صحافت کی طرف متوجہ کیا۔ چنانچہ جمال الدین کی تعلیمات کے زیر اثر شیخ محمد عبدہٗ نے مصر کے اخباروں میں مضامین لکھے اور اپنے معاشرے کی جملہ برائیوں پر تنقید کی اور انکے لئے علاج تجویز کیا۔ اسی جذبے کے تحت انہوں نے اپنے ایک مضمون میں مصر کے اعیان کو مخاطب کرتے ہوئے کہا کہ:

اگر ہم اپنی ہلاکت سے بچنا چاہتے ہیں تو ہمیں اپنے ہمسایہ ملکوں کی حالت پر نظر ڈالنی چاہئے۔ اس وقت یہ حقیقت واضح ہو کر سامنے آجائے گی کہ مغربی اقوام کی ترقی اور غلبہ کا راز یہ ہے کہ انہوں نے علوم جدیدہ کو اپنا لیا ہے۔ اب ہمارا بھی فرض ہے کہ ہم پورے شدومد سے ان مفید علوم کی اپنے ملک میں ترویج واشاعت کریں۔ بس یہی ایک واحد طریقہ ہے جس پر چل کر ہم اپنے مافات کی تلافی کر سکتے ہیں اور آنے والی برکات کے لئے مستعد ہو سکتے ہیں۔ 19

شیخ محمد عبدہٗ جب مصر کے سرکاری اخبار ''الوقائع المصریہ'' کے ایڈیٹر مقرر ہوئے تو ایک طرح سے ان کی دیرینہ تمنا پوری ہوئی۔ اب انہیں ایک ایسا آرگن ہاتھ آ گیا جس کے ذریعہ وہ اپنے اصلاحی خیالات کو ملک بھر میں پھیلا سکتے تھے بلکہ اثر واقتدار کے لحاظ سے انہیں مصر کی پبلک زندگی میں ایک اہم درجہ حاصل ہو گیا۔ انہیں یہ آزادی حاصل ہوگئی کہ وہ فاسد افسروں اور بدنیت عہدیداروں کے کردار سے لوگوں کو واقف کریں۔ انہوں نے پوری کوشش کی کہ یہ اخبار اصلاح معاشرہ کا موثر ترین حربہ بن جائے۔ چنانچہ وہ اپنے اس مقصد میں کافی حد تک کامیاب بھی ہوئے۔ ایک

سچے مصلح اور معلم اخلاق کی حیثیت سے محمد عبدہؒ نے اپنے معاشرے کے جملہ نقائص اور بے ہودہ رسم ورواج پر کڑی تنقید کی اور انہیں بے نقاب کیا۔ 20 جیسا کہ ایک مصری مصنف عثمان امین نے لکھا ہے کہ شیخ محمد عبدہؒ بتدریج تعلیم وتربیت کے ذریعہ اپنی قوم کا معیار بلند کرنا چاہتے تھے اور اس میں اجتماعی بیداری کی روح پھونکنا چاہتے تھے 21 اس طرح جب وہ جمال الدین افغانی کی معیت میں پیرس سے ''العروۃ الوثقیٰ'' نکال رہے تھے اور جمال الدین کے ''پان اسلامزم'' کے زیر اثر تھے اس وقت بھی محمد عبدہؒ کا اصلاحی پہلو اوجھل نہیں ہوا۔ چنانچہ ایک جگہ وہ لکھتے ہیں ''نہ تو آنسوؤں سے مردہ زندہ ہوسکتا ہے، نہ افسوس مافات کی تلافی کرسکتا ہے اور نہ غم وحزن مصیبت کو ٹال سکتا ہے۔ عمل ہی فلاح وبہبود کی کنجی ہے، صدق واخلاق ترقی کا زینہ ہے۔ خوف موت کو قریب کر دیتا ہے۔ یاس اور کم ہمتی ہلاکت کے اسباب ہیں۔ 22 انہوں نے کہا کہ ناامیدی کافروں کا خاصہ ہے۔ 23

اس سلسلے میں یہ امر قابل لحاظ ہے کہ جب شیخ محمد عبدہؒ مصر کے مفتی اعظم کے عہدے پر فائز ہوئے تو انہوں نے مختلف موقعوں پر بے شمار فتوے صادر کئے جن میں اصلاحی واخلاقی جذبہ کام کر رہا ہے۔ درحقیقت انہوں نے اپنی سرگرم ومتنوع زندگی میں جتنے بھی عہدے قبول کئے ان میں ان کے اصلاحی مقصد کے پیش نظر مفتی اعظم کا عہدہ خصوصی اہمیت رکھتا ہے۔ 25

شیخ محمد عبدہؒ پر یہ حقیقت اچھی طرح واضح تھی کہ ان کی زندگی کا واحد مقصد اصلاح اخلاق ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ مجرد بحثوں میں پڑنے سے گریز کرتے تھے اور ہمیشہ ان مسائل سے بحث کرتے تھے جن کا تعلق لوگوں کے اعمال وافکار سے تھا۔ وہ علماء کے اس لئے شاکی تھے کہ ان کی علمی سرگرمیوں کا تعلق لوگوں کی زندگیوں سے بالکل نہیں ہے۔ انہوں نے یہ بات بار بار کہی کہ وہ مباحث جن پر علمائے ازہر کی ساری زندگیاں وقف ہیں اگر ان سے عوام کو اپنی حالت کے بہتر بنانے میں مدد نہیں ملتی تو ایسے علمی مشاغل کی قیمت ایک لمحہ کے برابر بھی نہیں ہے۔ 26 انہوں نے کہا کہ ''قلم'' کی تعریف ہی یہ ہے کہ یہ انسان کو عمل کی جانب راغب کرتا ہے اگر ''علم'' سے یہ مقصد حاصل نہیں ہوتا تو وہ علم نہیں کوئی اور شے ہے۔ 27 یہی وجہ ہے کہ جب شیخ محمد عبدہؒ جامع ازہر کے رواق عباسی میں شہر کے اعیان کے سامنے قرآنی آیات کی تفسیر بیان کرتے ہیں تو وہ ہمیں مفسر قرآن سے زیادہ معلم اخلاق نظر آتے ہیں۔ کوئی بھی شخص ان کی تفسیروں کے پڑھنے کے بعد اسی نتیجہ پر پہنچے گا۔ وہ متعدد الجھے ہوئے مسائل اور نزاعی بحثوں سے دامن بچاتے ہوئے، الگ الگ آیات میں ربط قائم کرتے ہوئے اپنے مقصد کی طرف بڑھتے چلے جاتے ہیں اور ان آیات پر توقف کرتے ہیں جہاں سے انہیں اپنے معاشرے کی کسی برائی پر حملہ کرنے کے لئے کچھ مواد فراہم ہوتا ہے یا جن آیات کا تعلق لوگوں کی اخلاقی زندگی سے ہے۔ اس سلسلے میں ان آیات کو بھی جو ''کافروں'' کے متعلق ہیں مسلمانوں کے حال پر چسپاں کرتے ہوئے انہیں قرآن کی نظر میں معتوب گردانتے ہیں۔ 28 ان کی تفسیر پر بحث کرتے ہوئے عثمان امین نے صحیح کہا ہے کہ محمد عبدہؒ کی تفسیر کی امتیازی خصوصیت یہ ہے کہ وہ مسلم معاشرے کی اصلاح کے سلسلے میں ایک فعال وسیلہ ہے، روح اخلاق سے بھرپور ہے اور اس کے ساتھ ساتھ زمانے کے مذاق اور اس کے تقاضوں کے عین مطابق ہے۔ 29 خود شیخ محمد عبدہؒ نے اپنی تفسیر کا مقصد اس مختصر فقرے میں ادا کر دیا ہے۔ قرآن کو اس طرح سمجھنا کہ یہ بمنزلہ دین کے ہے جو لوگوں کو دنیا وآخرت دونوں کی بھلائی کا راستہ دکھاتا ہے۔ 30 وہ مزید کہتے ہیں کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ ہم سے

دوسروں کے اقوال اور ان کے فہم کے بارے میں نہیں پوچھے گا بلکہ وہ ہم سے اپنی اس کتاب کے بارے میں پوچھے گا جو اس نے ہمارے رشد و ہدایت کے لئے بھیجی ہے۔ 31 شیخ محمد عبدہؒ کی تفسیر کے سلسلے میں یہ بات قابل لحاظ ہے کہ وہ بھی سرسید احمد خاں کی طرح قرآن کی مدافعت کے خیال سے معذرت خواہانہ رویہ اختیار کرتے ہیں۔ وہ صرف اسی بات کے کہنے پر اکتفا نہیں کرتے کہ قرآن میں غیر سائنسی نظریات کا وجود نہیں ہے بلکہ ان کا اگلا قدم یہ اٹھتا ہے کہ وہ یورپ کی سائنسی ایجادات کو خود قرآن کے اندر سے ثابت کرتے ہیں۔ ان کی تفسیر کا ایک دلچسپ پہلو یہ بھی ہے کہ وہ قرآن کی مدافعت کی غرض سے ان آیتوں کی جو عالم ارواح سے متعلق ہیں مثلاً دوزخ، جنت، لوح و قلم اور میزان وغیرہ اور جنہیں قرآن جسمانی اور حسی سمجھتا ہے نفسیاتی تاویلات کرتے ہیں اور ان کی ماورائیت کو کم کرنے کی حتی الامکان کوشش کرتے ہیں۔ 32 بہرحال یہ محمد عبدہؒ کی تفسیر کا غالب رجحان نہیں ہے جیسا کہ احمد امین نے واضح کیا ہے۔ ان کی تفسیر کی اصل قدر و قیمت یہ ہے کہ یہ قرآن میں علمی مسائل کا حل ڈھونڈھنے کی بجائے کہیں زیادہ لوگوں کے جذبات کو ابھارتی ہے اور انکے شعور کو بیدار کرتی ہے۔ 33

وہ مسائل جن کا تعلق الٰہیات سے ہے محمد عبدہؒ کے نزدیک محض اخلاقی اہمیت رکھتے ہیں۔ اس سلسلے میں عقیدۂ جبر و اختیار کا مسئلہ اسلام کی تاریخ کا ایک الجھا ہوا باب ہے اور شدید اختلاف کا باعث رہا ہے۔ ان اختلافات نے مسلمانوں کو دو فرقوں میں منقسم کر دیا۔ جو ''جبریہ'' اور ''قدریہ'' کہلائے۔ شیخ محمد عبدہؒ کو اس مسئلے سے اسی حد تک دلچسپی تھی جہاں تک کہ اس کا تعلق لوگوں کے اخلاق سے ہے انہوں نے اس اعتراض کی (جو عموماً مسیحیوں کی جانب سے کیا جاتا تھا) پرزور مذمت کی کہ اسلام کے عقیدہ ''القضاء وقدر'' سے تہی عمل کا کوئی پہلو نکلتا ہے اور یہ کہ یہ عقیدہ مسلمانوں کے انحطاط کا باعث ہے۔ انہوں نے مزید کہا کہ قضا و قدر سے مراد مشیت الٰہی ہے جس کے مطابق انسان اپنے افعال کو ارادۂ خداوندی کی بجا آوری کا آلہ سمجھتا ہے۔ یہ خیال شیخ محمد عبدہؒ کے ہاں متعدد جگہ ملتا ہے کہ اگر عقیدۂ قضا و قدر کو صحیح طور پر سمجھا جائے تو ظاہر ہو جائے گا کہ یہ عقیدہ انسان کی انتہائی سعی و عمل کا مقتضی ہے۔ انہوں نے کہا کہ اس حقیقت سے کسی کو انکار نہیں ہو سکتا کہ تاریخ میں جو زبردست ہستیاں گزری ہیں اور جنہوں نے دنیا میں انتہائی حیرت انگیز کارہائے نمایاں انجام دیئے ہیں وہ سب اسی عقیدۂ قضا و قدر کے قائل تھے اور اسی عقیدے نے انہیں ناقابل تسخیر قوت اور توانائی عطا کی۔ انہوں نے مزید کہا کہ یہ تاریخی حقیقت ہے کہ عقیدۂ قضا و قدر انسان کی عملی سرگرمیوں کی راہ میں کبھی حائل نہیں ہوا بلکہ اس کے برعکس یہ عقیدہ ان سرگرمیوں کے لئے نفسیاتی طور پر ایک لازمی بنیاد تھا۔ 34 جہاں تک مسلمانوں کے اندر بے عملی کا تعلق ہے اس کی ذمہ دار بہت حد تک صوفیوں کی غلط تعلیمات ہیں جو صبر اور توکل کے نام پر لوگوں میں یاس اور قنوطیت پیدا کرتی ہیں۔ 35

جہاں تک اس مسئلہ کا الٰہیاتی پہلو ہے شیخ محمد عبدہؒ پرانے متکلمین کی لفظی موشگافیوں اور ان کی لاحاصل بحثوں سے واقف تھے۔ اس لئے انہوں نے اس مسئلہ پر افراط و تفریط سے بچنے کی تلقین کی۔ انہوں نے کہا کہ متقدمین نے اس مسئلہ پر طول طویل بحثیں کی ہیں لیکن ان تمام بحثوں کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ نقطۂ آغاز سے آگے نہ بڑھ سکے۔ 36 جہاں تک اس مسئلہ کا عملی پہلو ہے اس کی بابت انہوں نے کہا کہ ہر صحیح العقل انسان کو اس بات کا علم ہے کہ وہ اپنے افعال کو آزادی سے کر سکتا ہے اور ان کے انجام کو اپنی عقل سے سمجھ سکتا ہے۔ ایک قادر مطلق کے احساس کے باوجود انسان کو اپنے

ارادۂ آزاد کا شعور ہے۔ 37 وہ ''رسالۃ الواردات'' میں لکھتے ہیں کہ جس طرح عبد فاعل ہے اسی طرح خدا فاعل ہے اور جس طرح خدا فاعل ہے اسی طرح عبد فاعل ہے۔ 38

اس مسئلہ پر بحث کرتے ہوئے شیخ محمد عبدہٗ ایک اہم حقیقت کا اعتراف کرتے ہیں کہ مذہبی حدود میں رہتے ہوئے عقیدۂ جبر کا ایک گونہ اقرار ضروری ہے۔ اس سے کوئی مذہب مستثنیٰ نہیں ہے (قادر مطلق کے احساس کی موجودگی میں انسان کا ارادۂ اختیار ہیچ نظر آتا ہے۔) چنانچہ ایک عیسائی مصنف ہانوتو (Hanotaux) کے جواب میں انہوں نے کہا: یہ صحیح ہے کہ اسلام میں بعض باتیں ایسی ہیں جو انسان کو عقیدۂ جبر کی طرف لے جاتی ہیں لیکن کون سا مذہب ایسا ہے جس میں یہ باتیں نہیں ہیں۔ 39

عقیدہ جبر و اختیار کی طرح مسئلہ 'حسن و قبح'' بھی تاریخ اسلام کا ایک نازک مسئلہ ہے۔ شیخ محمد عبدہٗ نے اپنی مشہور تصنیف ''رسالۃ التوحید'' میں اس مسئلہ پر قدرے تفصیل سے بحث کی ہے۔ لیکن جیسا کہ ان کی پوری تعلیمات کا غالب رجحان ہے یہاں بھی انہیں اس مسئلے سے اسی حد تک دلچسپی ہے جس حد تک کہ اس مسئلہ کا تعلق انسانی اخلاق سے ہے۔ ان کے خیال میں ہر انسان کے اندر اشیاء کے خیر و شر کی تمیز کی صلاحیت فطرت کی طرف سے ودیعت کی گئی ہے۔ مثلاً ''حسن'' کا احساس مسرت اور حیرت کے جذبات پیدا کرتا ہے جب کہ 'قبح' سے نفرت یا خوف کے جذبات پیدا ہوتے ہیں۔ لیکن جس طرح انسان' محسوسات میں خیر و شر کی تمیز کر سکتا ہے اسی طرح معقولات میں بھی خیر و شر کی صلاحیت ادراک انسانی میں موجود ہے۔ 40

(اس کے بعد مقالہ میں "خیر و شر کے مسئلہ سے بحث کی گئی ہے لیکن وہ بحث محض متکلمانہ ہے اس لئے ہم نے اسے حذف کر دیا ہے...طلوع اسلام۔)

مسلم معاشرے کی اصلاح کے سلسلے میں شیخ محمد عبدہٗ نے جس بات پر سب سے زیادہ زور دیا وہ ہے عقلیت پسندی۔ دراصل یہ ان کی تحریک کا اساسی پہلو ہے۔ وہ کورانہ تقلید کو مسلمانوں کے جمود و تعطل کا بنیادی سبب سمجھتے تھے۔ ان کا خیال تھا کہ تقلید اور روایت پسندی ایک بیمار معاشرے کی علامتیں ہیں جن سے شفایاب ہوئے بغیر ایک صحت مند معاشرے کی تشکیل ناممکن ہے۔ وہ خود اپنے تجربے سے جانتے تھے کہ روایت پسندی کس طرح لوگوں کے دل و دماغ کو جکڑ لیتی ہے اور نئے خیالات کے لئے ہمیشہ سد راہ ثابت ہوتی ہے یہی وجہ ہے کہ انہوں نے طالب علمی کے زمانے ہی سے روایت پسندی کے قلعہ کو مسمار کرنا شروع کر دیا اور آزادیٔ فکر کا علم بلند کیا۔ 40 انہوں نے کہا کہ غور و فکر ہر ذی عقل انسان پر لازم ہیں۔ ان سے کسی کو مفر نہیں۔ اس ذی عقل کے لئے یہ ضروری ہے کہ اس کے اردگرد جو دنیا ہے۔ اس کی حقیقت معلوم کرنے کے لئے اپنی پوری کوشش صرف کرے۔ موجودات و اشیاء کی تحقیق و تفتیش کرے اور اس سلسلے میں اسے جو خصوصی وسائل حاصل ہوں انہیں استعمال کر کے اپنے موقف کو یقینی براہین پر قائم کرے اور صحیح استدلال سے کام لے۔ 50 شیخ محمد عبدہٗ نے کہا کہ مذہب ایک عام حاسہ ہے جس کا کام یہ ہے کہ انسان اسباب فلاح کو تلاش کرے جن کو عقل واضح طور پر نہیں سمجھ سکتی۔ لیکن آخری اختیار صرف عقل کو حاصل ہے۔ 51 ان کے نزدیک قرآن کا صحیح مفہوم متعین کرنے میں بھی عقل کو کلی اختیار حاصل ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ یہ اسلام کا دوسرا اصول ہے کہ جب کلام الٰہی کے لفظی معنی اور تقاضائے عقل کے درمیان اختلاف ہو تو عقل کے مطابق اس کی تاویل کرنی

چاہئے۔52 جہاں تک اسلاف کی آراء کا تعلق ہے ان کی بابت وہ لکھتے ہیں کہ حرف آخر ہونے کا حق نہ تو فرسودہ نصوص کو حاصل ہے نہ پرانے اختیارات کو جواب مٹ چکے ہیں۔ اصل چیز زندگی اور اس کی ضروریات ہیں۔53 غرضیکہ شیخ محمد عبدہٗ کے نزدیک سلف صالحین کے احترام کے نام پر عقل انسانی کی جولان گاہ کو محدود نہیں کیا جا سکتا۔ یہ کہنا غلط ہے کہ اسلاف ہی اسلام کی صحیح تشریح کر سکتے تھے اور بعد کی نسلوں کو یہ حق نہیں پہنچتا۔ چنانچہ ''رسالۃ التوحید'' میں اسلاف پرستی کا بطلان کرتے ہوئے انہوں نے لکھا: خدا کے عطیوں میں تمام نسلیں اگلی اور پچھلی برابر کی شریک ہیں۔ جہاں تک زمانے کے اعتبار سے سبقت کا سوال ہے تو یہ نہ تو علم کا ثبوت ہے اور نہ عقل وفکر کی برتری کا۔ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ نئی نسلوں کو سابقہ نسلوں پر فوقیت حاصل ہے اس لئے کہ معلومات کے جو ذرائع اب ہمیں حاصل ہیں ہمارے اسلاف ان سے محروم تھے۔54

شیخ محمد عبدہٗ کبھی کبھی تقلید کی مذمت میں کافی شدت اختیار کر لیتے ہیں۔ چنانچہ ''شرح الدوانی'' کے حاشیہ پر وہ تقلید کو کفر سے تشبیہ دیتے ہیں۔ ان کے نزدیک چونکہ مقلد اصول دین کو عقل کے بغیر تسلیم کرتا ہے اس لئے اسے درجہ ایقان حاصل نہیں ہوتا اور جب تک اصول دین میں ایقان حاصل نہ ہو شک قائم رہتا ہے اور ایسا شخص کافر کہلانے کا مستحق ہے۔ انہوں نے کہا کہ کافر55 وہ ہے جو حق کی روشنی دیکھتا ہے تو اپنی نظریں بند کر لیتا ہے اور جب صداقت کی آواز اس کے کانوں میں پہنچتی ہے تو اپنے کان بند کر لیتا ہے۔ وہ دلائل کی پرواہ نہیں کرتا بلکہ اپنے گردوپیش کے لوگوں کو تقلید میں مبتلا دیکھ کر مطمئن ہو جاتا ہے اور ان کی طرح اسلاف کی اندھی تقلید میں لگ جاتا ہے۔56 (جو عقیدہ یا مسلک قرآن کے خلاف ہو اس پر تقلیداً جمے رہنا کفر ہے۔ طلوع اسلام)

شیخ محمد عبدہٗ کے یہ افکار بہت ہی دور رس نتائج کے حامل ہیں۔ فرانسیسی مصنف (Lacouture) محمد عبدہٗ کے ان افکار سے متاثر ہو کر لکھتا ہے: محمد عبدہٗ کی عقلیت پسندی اتنی ہی جوکھم والی (Adventurous) تھی جتنی کہ نشاۃ ثانیہ کے دور میں ہمارے ان مفکرین کی تھی جن میں سے بعضوں کو موت کا جام پینا پڑا۔57

شیخ محمد عبدہٗ کا اصرار تھا کہ عقیدہ کی بنیاد ''صحیح استدلال'' پر قائم ہونی چاہئے۔ چنانچہ انہوں نے اس بات پر اظہار افسوس کیا کہ لوگ (علماً) عقیدہ پہلے قائم کر لیتے ہیں پھر اسکے لئے ''استدلال'' ڈھونڈتے ہیں۔58 اس کے علاوہ وہ ''استدلال'' میں ''فکر کی خودمختاری'' کے بہت زیادہ قائل تھے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ استدلالی علوم فلسفہ اور منطق کی خاص طور پر حمایت کرتے تھے جب کہ علمائے ازہر کے نزدیک یہ علوم بے حد ناپسندیدہ تھے۔ غالباً جمال الدین افغانی پہلے شخص تھے جنہوں نے اپنے قیام مصر (1875ء) کے دوران میں ان علوم کے احیاء کی کوشش کی۔ انہوں نے سب سے پہلے ابن سینا کی ''الاشارات'' کا درس دینا شروع کیا۔ جس کی وجہ سے مصر کے قدامت پسند علماء نے جمال الدین کو معتوب قرار دیا اور ان کے اس فعل کو الحاد و زندقہ سے تعبیر کیا۔ شیخ محمد عبدہٗ نے 1877ء میں اپنے ایک مضمون میں علم منطق کی پرزور تائید کی اور کہا کہ یہ وہ علم ہے جو دلائل میں درستی پیدا کرنا سکھاتا ہے۔ انہوں نے علماء کو مخاطب کرتے ہوئے کہا: اگر ہم اپنے فکر کو دلائل کی درستی کے لئے استعمال نہیں کرتے تو پھر ہم اسے اور کس مصرف کے لئے استعمال کریں گے۔59 شیخ محمد عبدہٗ کے نزدیک فلسفہ اور منطق صداقت اور یقین کے حصول کے اہم ذریعہ ہیں۔ منطق کو وہ فکر کا ''معیار'' اور ''میزان'' سے تعبیر کرتے تھے۔60

عقلیت پسندی کے اسی جذبے کے تحت محمد عبدہٗ نے

اپنے معاشرے کے جملہ نقائص پر سخت محاسبہ کیا۔انہوں نے اپنے زمانے کے جھوٹے فقہاء۔علماء اور صوفیاء کو بے نقاب کیا اور بھولے بھالے عوام کو ان کے چنگل سے نکالنے کی پوری کوشش کی۔فقہاء کی حیثیت کو واضح کرتے ہوئے انہوں نے کہا کہ ان فقہاء کی تاریخی حیثیت یہ رہی ہے کہ یہ ہر زمانے میں حکمران طبقے کے آلہ ءکار بن کر ان کے مفاد کی ترجمانی کرتے رہے ہیں اور اس مقصد کے تحت ''حیلہ ءشرعیہ'' کے نام پر شریعت کی من مانی تاویلیں کرتے رہے ہیں۔اسی طرح علماء کے طبقہ کے ذہنی افلاس کا تذکرہ کرتے ہوئے انہوں نے کہا کہ ان لوگوں کے اذہان تحقیق وتمحیص کی روح سے خالی ہیں اور ان پر ہر طرح کے اوہام اور خرافات کا غلبہ ہے۔یہ وہ لوگ ہیں جو عام مسلمانوں کے دماغوں میں تقلید کا زہر گھولتے ہیں۔61

ان علماء کا علمی سرمایہ اصل متون کی جگہ شروح وحواشی تک محدود ہے اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ لوگ نہ صرف یہ کہ اس زمانے کے نہیں ہیں بلکہ اس دنیا کے رہنے والے ہی نہیں ہیں۔62 اپنی طالب علمی کے زمانے کا ایک تجربہ بیان کرتے ہوئے محمد عبدہؒ نے کہا کہ: جب ہم اپنے استاد کو پڑھاتے ہوئے سنتے تھے تو ایسا محسوس ہوتا تھا کہ وہ کوئی اجنبی زبان بول رہے ہیں۔63 اپنے ایک مضمون میں انہوں نے لکھا: ''ہمارے علماء کو جو قوم کے لئے بمنزلہ روح کے ہیں، آج تک علوم جدیدہ میں کوئی فائدہ نظر نہیں آیا اور وہ اب تک انہی مشاغل میں مصروف ہیں جو صرف پرانے اور متروک زمانے ہی کے لئے موزوں تھے۔وہ اس حقیقت سے قطعاً غافل ہیں کہ ہم آج ایک نئی دنیا میں زندگی بسر کر رہے ہیں۔'' علوم حاضرہ کے متعلق ان علماء کا رویہ بیان کرتے ہوئے انہوں نے مزید کہا کہ ''علوم جدیدہ جو ہماری ضروریات زندگی میں شامل ہیں اگر ان کا ذکر بھی کیا جاتا ہے تو ہم اپنے کانوں میں انگلیاں ٹھونس لیتے ہیں۔اگر

یہ وحشی حکمرانوں کا زمانہ ہوتا تو پھر بھی اس رویے کے حق بجانب ہونے کا کوئی عذر رہتا۔لیکن یہ ذہنیت آج کل کے زمانے میں کیوں کر چل سکے گی جب کہ علم پھیل رہا ہے اور دیگر متمدن ملکوں سے ہمارے روابط قائم ہیں۔64

علماء وفقہاء کی طرح شیخ محمد عبدہؒ نے اپنے زمانے ک صوفیوں کی بھی خبر لی۔اگرچہ وہ خود ابتدائی دور میں صوفی تھے۔65 اور تاریخ اسلام میں صوفیوں کے رول کی تعریف کرتے تھے۔66 لیکن ان کے زمانے میں دنیائے اسلام میں نام نہاد صوفیوں کا ج کردار تھا اس سے وہ بہت نالاں تھے۔انہوں نے کہا کہ ان صوفیو نے مذہب کو حصول رزق کا ذریعہ بنالیا ہے۔67 یہ لوگ عوام میں بے عملی اور قنوطیت کی تلقین کرتے ہیں۔بھولے بھالے عوام بہت جلد ان کے فریب اور شعبدوں کا شکار ہو جاتے ہیں اور انہیں اپ حاجت روا اور مشکل کشا تصور کرنے لگتے ہیں۔قرآنی آیت 2:165 ''**ومن الناس من یتخذ من دون الله اندادا یحبونهم کحب الله والذین امنوا اشد حبا لله ولو یری الذین ظلموا اذ یرون العذاب ان القوة لله جمیعا وان الله شدید العذاب**'' ک تفسیر بیان کرتے ہوئے شیخ محمد عبدہؒ نے بتایا کہ عقیدہ پیر پر لوگوں کو بے عملی میں مبتلا کرتا ہے اور ان کے اندر اخلاقی ذمہ داری شعور ختم کر دیتا ہے۔عوام اپنی حالت کے بہتر بنانے کے سلسلہ میں مادی وسائل پر بھروسہ کرنے اور اسباب وعلل کو معلوم کرنے ک بجائے کسی ولی یا فقیر کی طرف متوجہ ہوتے ہیں جنہیں وہ کائنات متصرف سمجھتے ہیں۔اس طرح مسلم عوام دین کے ساتھ ساتھ اپنی د بھی تباہ کرتے ہیں۔68 ایک دوسرے موقع پر شیخ محمد عبدہؒ نے ک

کہ اولیاء کے متعلق اس طرح کے عقیدے کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ عوام ہر حادثے کو جو دراصل خود ان کے اپنے اعمال کا نتیجہ ہوتا ہے سمجھنے سے قاصر رہتے ہیں۔ اور اسے کسی صوفی یا ولی کا کرشمہ تصور کرنے لگتے ہیں۔ وہ غیر معمولی طبعی حوادث کو سمجھنے کی بجائے خوف سے کانپنے لگتے ہیں اور ہمیشہ انجانے خطرات سے ڈرتے رہتے ہیں۔ 69

شیخ محمد عبدہٗ کے نزدیک ان سارے مفاسد اور برائیوں کا صرف ایک علاج ہے یعنی یہ کہ مسلمان قرون اولیٰ کی طرف واپس جائیں۔ انہیں جو اسلام ترکے میں ملا تھا وہ صدیوں کے رطب و یابس کے جمع ہو جانے کی وجہ سے اس قدر وسیع اور پر پیچ ہو چکا تھا کہ اس پر نظر ثانی کی ضرورت تھی۔ چنانچہ ان کی کوشش تھی کہ اقل قلیل عقائد واضح کئے جائیں جن کے بغیر اسلام، اسلام نہیں رہتا۔ انہیں ایسے بنیادی اسلامی عقائد کی ضرورت تھی جو پائیدار ہوں اور محض مقامی و عارضی خصوصیات نہ رکھتے ہوں۔ اسی نقطۂ نظر سے وہ شریعت اسلامی میں ترمیم کے قائل تھے۔ شیخ محمد عبدہٗ نے زندگی سے متعلق چند اہم شرعی مسائل کی جدید تشریح کی۔ انہوں نے سیونگ بینک کے سود کی اباحت کا فتویٰ دیا۔ تصویر کشی اور مجسمہ سازی کو جائز ٹھہرایا۔ جہاں تک موخر الذکر مسئلہ کا تعلق ہے اس میں کوئی شک نہیں کہ احادیث صحیح میں ان کی ممانعت کا حکم صراحتاً موجود ہے۔ مثلاً ایک حدیث ہے: ''ان اشد الناس عذاباً یوم القیامۃ المصورون'' (قیامت کے دن سب سے زیادہ عذاب کے مستحق مصور ہوں گے) محمد عبدہٗ ان احادیث کی صحت سے انکار نہیں کرتے ہیں لیکن ان کا کہنا ہے کہ یہ حکم اس وقت دیا گیا تھا جب بت پرستی رائج تھی۔ اب اس طرح کی کوئی مصلحت درپیش نہیں ہے۔ اس کے علاوہ تصویر کشی کے فوائد مسلم ہو چکے ہیں۔ لہٰذا عارضہ کے زائل ہونے اور فائدہ کے ظاہر ہونے کے بعد حکم ممانعت زائل ہو جاتا ہے۔ ایسی حالت میں ذی روح اور غیر ذی روح اشیاء کی تصویر کشی میں کوئی فرق نہیں رہ جاتا۔ جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ تصویر کشی ممنوع ہے اس لئے کہ اس سے بت پرستی کے پیدا ہونے کا امکان ہے۔ اس کے جواب میں محمد عبدہٗ نے کہا ہے کہ یہ کہنا ایسا ہی ہے جیسے کوئی یہ کہے کہ چونکہ زبان سے جھوٹ کے سرزد ہونے کا امکان ہے اس لئے اسے باندھ دینا چاہئے۔ دراں حالیکہ انسان کی زبان سچ بولنے پر اسی طرح قادر ہے جس طرح جھوٹ بولنے پر۔ انہوں نے مزید کہا کہ یہ اسلامی شریعت کی روح کے خلاف ہے کہ وہ تصویر کشی اور مجسمہ سازی کو ممنوع قرار دے۔ جب کہ یہ علم حاصل کرنے کا ایک اہم ذریعہ ہے۔ 76

اصلاح معاشرہ کے سلسلے میں شیخ محمد عبدہٗ کا ایک اہم کارنامہ یہ ہے کہ انہوں نے جنسی مساوات کی طرف توجہ کی۔ ان کا دعویٰ تھا کہ اسلام جنسی مساوات کا قائل ہے لیکن اس کے ساتھ ساتھ وہ یہ بھی مانتے تھے کہ جہاں تک عملی زندگی کا سوال ہے عورتوں کو یہ حقوق اب تک بہت کم حاصل ہوئے ہیں۔ 77 اس مسئلہ پر شیخ محمد عبدہٗ نے اپنے خیالات کو زیادہ آگے نہیں بڑھایا۔ لیکن آزادی نسواں کے سلسلے میں شیخ محمد عبدہٗ کا سب سے اہم کارنامہ یہ ہے کہ انہوں نے تعدد ازدواج کے خلاف آواز اٹھائی جسے وہ غیر انسانی اور بہیمانہ سمجھتے تھے۔ ان کے نزدیک اسلام یک زوجگی کو مثالی نکاح سمجھتا ہے۔ انہوں نے قرآنی آیت 4:3 ''فان خفتم الا تعدلوا فواحدۃ'' کو بنیاد بناتے ہوئے کہا کہ تعدد ازدواج کے سلسلے میں عدل کی شرط ایک ایسی شرط ہے جس کا پورا کرنا تقریباً ناممکن ہے۔ (یہ دلیل صحیح نہیں۔

طلوع اسلام) انہوں نے مزید کہا کہ اوائل اسلام میں تعدد ازدواج کی جو اجازت تھی تو اس کے کئی فوائد تھے۔ سب سے بڑا فائدہ یہ تھا کہ قرابت اور رشتہ داری کی وجہ سے معاشرے کی شیرازہ بندی میں مدد ملتی تھی۔ اس کے علاوہ اس ادارے کی وجہ سے معاشرے میں کسی قسم کی برائی نہیں پیدا ہوئی تھی کیوں کہ دین لوگوں کے دلوں پر متمکن تھا لیکن اب یہ صورت حال نہیں ہے۔ اس زمانے میں تعدد زوجات کی برائیاں پوری طرح نمایاں ہوگئی ہیں اور یہ معاشرتی زندگی کی تباہی کا باعث ہے۔ ایسی حالت میں یہ ضروری ہوگیا ہے کہ اس کو سادہ ترین اور ابتدائی شکل میں لوٹایا جائے تو اسلام تمام بنی نوع انسان کے لئے قابل قبول ثابت ہو جائے گا اور اس وقت یہ بات بھی واضح ہو جائے گی کہ طلاق' تعدد ازدواج' غلامی اور اس قسم کے دیگر مسائل کے متعلق موجودہ اسلامی ضوابط اسلام کے بنیادی عقائد میں شامل نہیں ہیں۔ بلکہ یہ وہ مسائل ہیں جن میں ضرورت پڑنے پر حالات کے تحت ضروری ترمیم کی جاسکتی ہے۔ 70 ان کے نزدیک چوں کہ شریعت کی اساس محبت' انصاف اور مصلحت عامہ پر ہے اس لئے شریعت میں مسلسل تغیر کی ضرورت ہے۔

یہی وجہ ہے کہ صحابہ کرامؓ ہمیشہ مصلحت عامہ کے مطابق فیصلے صادر کرتے تھے اور بعض دفعہ انہیں سنت نبویؐ کی خلاف ورزی بھی کرنی پڑتی تھی۔ 71 شیخ محمد عبدہٗ نے اس خیال کا اظہار کیا کہ جہاں تک اجتماعی روابط اور شہری وتجارتی معاہدات کے متعلق قواعد و ضوابط کا تعلق ہے ان کو مذہب سے کاملاً علیحدہ کر دینا چاہئے اور انہیں کسی ایسے ضابطے کا لازمی جزو نہیں بنا دینا چاہئے جو مقدس اور ناقابل تغیر قرار دیا گیا ہو۔ یہ قوانین بلاشبہ قرآن اور سنت پر مبنی ہونے چاہئیں۔ لیکن ان میں ہر زمانے کی ضروریات کے مطابق وقتاً فوقتاً تبدیلیوں کی گنجائش ہونی چاہئے۔ انہوں نے کہا کہ قوانین انسانی مصلحت کے لئے بنائے جاتے ہیں اور مصلحت زمانے کے ساتھ ساتھ بدلتی رہتی ہے۔ 72 اسی مقصد کے تحت شیخ محمد عبدہٗ قرآن وحدیث کے نصوص کی خلاف ورزی کو بھی جائز سمجھتے ہیں۔ 73 (یہاں صاحب مقالہ کو غالباً غلط فہمی ہوئی ہے۔ طلوع اسلام)۔ ان کے نزدیک شریعت کی تفصیلات کی کوئی اہمیت نہیں ہے بلکہ اصل چیز اس کی روح ہے۔ 74 انہوں نے کہا: ''حاجت'' بمنزلہ ''ضرورت'' کے ہے اور ''ضرورت'' اسے متفق علیہ بنا دیتی ہے۔ 75

مسئلے پر نظر ثانی کی جائے۔ 79 شیخ محمد عبدہٗ نے علمائے اسلام کو مخاطب کرتے ہوئے کہا کہ چونکہ اس بات سے کسی کو اختلاف نہیں ہوسکتا کہ اسلام انسان کی بھلائی کے لئے آیا ہے اس لئے ضروری ہے کہ اسلام کی اس طبیعت کے تقاضے کے تحت اس بے ہودہ رواج پر پابندی عائد کی جائے۔ انہوں نے اس مسئلہ کو اصولی شکل میں پیش کرتے ہوئے کہا کہ جب کسی شے سے مفاسد پیدا ہونے لگیں جو اس سے پہلے نہیں پیدا ہوئے تھے تو ایسی حالت میں واجب ہو جاتا ہے کہ اس شے کی بابت حکم میں تبدیلی کی جائے اور اسے حالات حاضرہ کے تقاضوں کے مطابق بنایا جائے اس لئے کہ یہ مسلمہ قاعدہ ہے کہ مفاسد کی روک تھام حصول مصالح پر مقدم ہے۔ 80

شیخ محمد عبدہٗ کے ان افکار نے مصر میں تحریک نسواں کے نشوارتقاء کے لئے زمین ہموار کی۔ اس سلسلے میں یہ بات قابل ذکر ہے کہ مصر میں تحریک نسواں کے سب سے بڑے علمبردار قاسم امین۔ 81 (1865-1908ء) محمد عبدہٗ کے شاگرد تھے۔

اگرچہ آج شیخ محمد عبدہٗ کے بعض افکار بے رنگ معلوم

ہوتے ہیں لیکن اس میں کوئی شک نہیں کہ انہوں نے جس آزادانہ طریقے سے اسلامی شریعت کی تشریح وتاویل کی وہ اپنے زمانے کے لحاظ سے یقیناً ترقی پسند ہے۔ خاص طور پر جب ہم یہ دیکھتے ہیں کہ مصر کے علمائے جامدین کس شدومد سے شیخ محمد عبدہٗ کے ان ہی افکار کی مخالفت میں کمربستہ رہتے تھے جو آج ہمیں پھیکے معلوم ہوتے ہیں۔ یہ صحیح ہے کہ بعض تاریخی اسباب کی بنا پر محمد عبدہٗ کی اصلاحی تحریک پروٹسٹنٹزم (Protestentism) کی شکل اختیار نہیں کر سکی۔ پھر بھی ان کا اہم کارنامہ یہ ہے کہ انہوں نے مسلم معاشرے میں لبرل اور اصلاحی رجحانات کو پروان چڑھایا جو نتیجہ کے اعتبار سے معاشرے کو روایت پرستی کی گرفت سے نکالنے کی جانب ایک ضروری قدم تھا۔ اس کے علاوہ انہوں نے مسلم معاشرے میں ازمنہء وسطیٰ کی فرسودہ قدروں کی جگہ انسان دوستی (Humanism) کی روایات کو فروغ دینے کی کوشش کی اور لوگوں کو عقل پر اعتماد کرنا سکھایا۔ ان کی تعلیمات کے زیر اثر مصر میں تاریخی شعور کو پنپنے کا موقع ملا۔ اس کے علاوہ مسلم دانش وروں کا ایک ایسا طبقہ پیدا ہوا جس نے شیخ محمد عبدہٗ کی اصلاحی تحریک کو آگے بڑھایا۔ ان دانش وروں میں قاسم امین۔ علی عبدالرزاق اور طہ حسین وغیرہ کے نام کافی مشہور ہیں۔ لیکن علمائے ازہر عموماً شیخ محمد عبدہٗ کو شک وشبہ کی نظروں سے دیکھتے رہے۔ ان لوگوں نے انہیں سلف کا دشمن قرار دیا۔ کافر کہا اور لوگوں کے مذہبی جذبات کو ان کے خلاف بھڑکایا۔ یہ لوگ نہ صرف ان کی اصلاح پسندی کے دشمن تھے بلکہ وہ ان کے جوتوں کی وضع اور بالوں کی تراش پر بھی معترض تھے۔ جیسا کہ قاسم امین نے کہا ہے۔ ان میں سے اکثر یوں اعتراض کرتے تھے: یہ کیسا شیخ ہے جو فرانسیسی زبان میں باتیں کرتا ہے' یورپ کا سفر کرتا ہے' علمائے فرنگ کی تحریروں کا ترجمہ کرتا ہے۔ ایسے فتوے دیتا ہے جو اس سے پہلے کبھی کسی نے نہیں دیئے تھے۔ امدادی انجمنوں میں حصہ لیتا ہے۔ غرباء ومساکین کے لئے چندے جمع کرتا ہے۔ اگر یہ شخص اہل دین میں سے ہے تو اس کی جولانگاہ مسجد سے گھر تک ہونی چاہئے۔ اگر وہ دنیادار لوگوں میں سے ہے تو ہم دیکھتے ہیں کہ وہ اس میدان میں تنہا سب سے زیادہ مصروف عمل ہے۔83

مختصر یہ کہ شیخ محمد عبدہٗ کو سب سے زیادہ خطرہ مصر کے ان ہی علمائے سوء سے تھا جو ہر طرح کی روشن خیالی کے دشمن تھے اور جن کے خلاف شیخ محمد عبدہٗ کو ساری عمر جہاد کرنا پڑا۔ جب وہ بستر مرگ پر تھے تو انہوں نے ان ناعاقبت اندیش علماء کے خلاف اپنے خدشات کا ان الفاظ میں اظہار کیا۔84

ولست ابالی ان یقال محمد
ابل ام اکتظت علیہ المآتم
ولکنہ دین اردت صلاحہ
احاذران تقضی علیہ العمائم

''مجھے اس کی کوئی پرواہ نہیں کہ میری موت کے بعد کہا جائے کہ محمد عبدہٗ جلیل القدر تھا یا نہیں۔ نہ ہی مجھے اس کی پرواہ ہے کہ میری موت کے بعد ماتم کرنے والوں کا مجمع ہوگا یا نہیں۔ مجھے اگر کوئی فکر ہے تو اس دین کی جسے میں نے جاہلی تصورات سے صاف کیا تھا اور میں ڈرتا ہوں کہ میری موت کے بعد دین حاملان جبہ وعمامہ کے رحم وکرم پر ہوگا۔''

(نوٹ:۔ طوالت کے خوف سے حواشی حذف کر دیے گئے ہیں۔ مدیر)

ENJOY YOUR STAY AT

HOTEL PARKWAY (PVT.) LTD.

Near Railway Station - Lahore

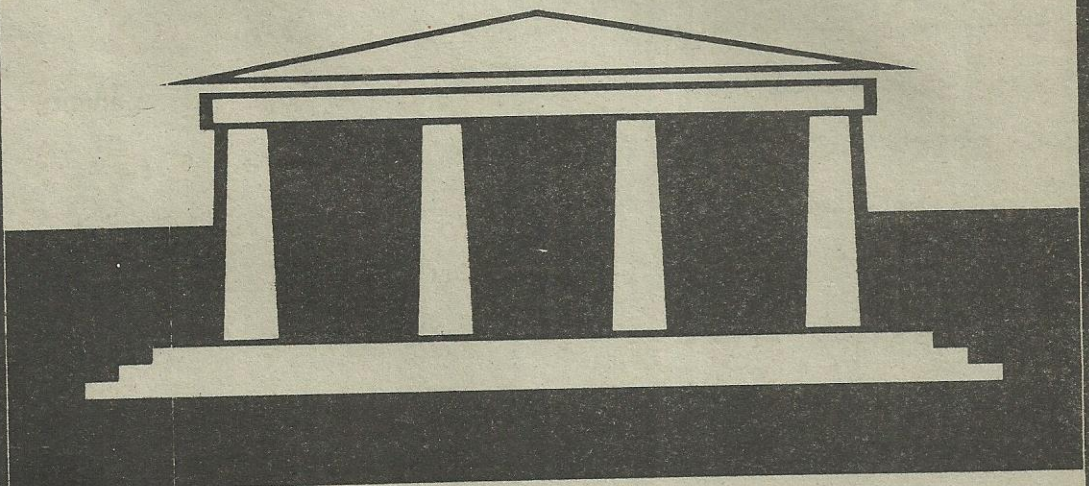

All Comforts Available:

- T.V. & Fax
- Air-Conditioned
- Telephone Exchange
- Car Parking
- Excellent Service

Ph:92-42-6315647-52–FAX:92-42-6366029

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

علامہ آئی آئی قاضی، مترجم محمد موسیٰ بھٹو

پبلک سرونٹ

تشریح اور اس کا تاریخی پس منظر

〈تلخیص〉

خواتین و حضرات! پچھلے ہفتے ہم گفتگو کر رہے تھے کہ ایک لفظ ہماری زندگی پر حکمرانی کر رہا ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ آپ نے وہ بھلایا نہ ہوگا۔ وہ 'P' کا لفظ ہے، جس کا اس دور میں زیادہ استعمال ہو رہا ہے۔ یہ کہنا زیادہ صحیح ہوگا کہ اس وقت ساری دنیا میں پاور یعنی اقتدار کی دوڑ ہے۔ یہ لفظ 'P' سے شروع ہوتا ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ پاور اور پاؤنڈ، پبلسٹی اور پبلک سرونٹ، پلیٹ اور پاپولر یا غیر پاپولر ان الفاظ میں کسی نہ کسی طور 'P' کی حکمرانی ہے۔ ایسے الفاظ تیس سے پچاس تک ہو سکتے ہیں، جو زبان زد عام و خواص ہیں اور علمی اعتبار سے بھی وہ الفاظ ہماری زندگی پر حکمرانی کرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔

پہلے زمانے میں لوگ سوچا کرتے تھے کہ کچھ ستارے ہیں جو ہماری زندگی پر حکمرانی کرتے ہیں، اگر وہ لوگ اس سوچ میں حق بجانب ہوں (ظاہر ہے کہ حق بجانب نہیں ہیں) کہ جپیٹر اور مارس ان کی زندگی پر قدرت رکھتے ہیں تو ہم بھی اس میں حق بجانب ہیں کہ 'P' لفظ کو پراسرار اور غیبی معنیٰ کا حامل قرار دیں جو آج کل حکمرانی کر رہا ہے (بہ انداز تفنن)۔ یہاں تک پوپ اور پراسٹیٹنٹ، پوٹینشلٹی، اور پلازیبلٹی، پرٹینشن اور پروپیگنڈا اور پبلسٹی، کسی بھی طرف جاؤ، آپ کو 'P' حکمرانی کرتی ہوئے نظر آئے گی۔ پوپس، پلیڈر اور پبلک سرونٹ وہ بھی اہم حیثیتوں کے حامل ہیں۔ لیکن موجودہ سوسائٹی میں ایک بات جو نہایت اہم ہے، لیکن بدقسمتی سے اس سے ہمارا تعلق کم ہو گیا ہے۔ وہ پرنسپل (اصول) ہیں، پرنسپل کا آغاز بھی 'P' سے ہوتا ہے۔ آج کی نشست میں ہم بالخصوص 'P' کا ذکر کریں گے۔ جس کا ہماری زندگی میں زیادہ عمل دخل ہو گیا ہے، پبلک سرونٹ ہمیں بظاہر نظر آ رہا ہے، لیکن اہل علم جانتے ہیں کہ کچھ صدیاں پہلے اس کا استعمال پبلک نوکر سرونٹ کی صورت میں ہوتا تھا، یہ لفظ شروع سے مروج ہے، البتہ تیرہ سو سال پہلے نہ تو پبلک کا لفظ مستعمل تھا اور نہ ہی پبلک سرونٹ کا استعمال تھا۔ اب پبلک سرونٹ کو چھوڑ کر سرونٹ کو دیکھیں، ہم اسے آسانی سے تاریخ میں تلاش کر سکتے ہیں۔ اس زمانے میں بادشاہوں کے تو نوکر ہوتے تھے۔ لیکن 'عوام کے نوکر' جیسی کوئی اصطلاح موجود نہیں تھی۔ بادشاہ کون تھا؟ اس سلسلہ میں ہم کھتری کی مثال لیتے ہیں۔ برہمنوں کو ہم بہت پیچھے چھوڑ آئے ہیں۔ درمیانی دور کا ذکر کیا جاتا ہے۔ جب کھتری پاور میں تھے۔ کھتریوں کے دور میں بادشاہوں کے عجیب جنگی نام ہوتے تھے۔ انجیل جسے عیسائی مانتے ہیں۔ اس میں بھی بادشاہ کو اللہ کا مسح کرنے والا کہا گیا ہے۔ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے تخت پر فائز ہوتا ہے۔ اس کے چھونے سے بیماری دور ہو جاتی ہے۔ مسئلہ یہ نہیں کہ بادشاہ کون ہے اور وہ کیا کرتا ہے اور کس طرح زندگی گزارتا ہے، چاہے وہ بچہ ہو یا بوڑھا، لیکن وہ جب تک بادشاہ ہے، وہ ظل اللہ اور

شہنشاہ ہے، وہ سب کچھ ہے۔

اسے سب کچھ سمجھا جاتا ہے۔ وہ کوئی غلطی نہیں کر سکتا اور وہ اللہ کا مسح کرنے والا (Anointed of the lord) ہے۔ وہ سارے انسانوں سے بلند ہے اور یہاں تک کہ نظام الملک اپنی تصنیف 'سیاست نامہ' میں لکھتا ہے کہ ان کے دور میں جب کوئی شخص بادشاہ کے سامنے حاضر ہوتا ہے تو ''نماز کرد'' یعنی سجدہ کرتا ہے' یہ نظام الملک کے دور کی بات ہے۔ جب کہ نماز کا لفظ ہم عبادت کے لئے استعمال کرتے ہیں۔ یہ بھی بادشاہت کا ایک رخ ہے اور بادشاہ کے نوکر ہوتے تھے' جو عوام پر حکمرانی کرتے تھے۔ ان دنوں عام عام لوگوں کو کوئی اہمیت حاصل نہیں تھی۔

ہم نے یہاں چند ماہ پہلے انگلینڈ کے سماجی حالات کے بارے میں گفتگو کی تھی' ہم نے سرفس کے بارے میں کہا تھا کہ اس دور تک تقریباً سرفڈم جاری رہا ہے۔ روس میں سرفڈم میرے پیدا ہونے کے بعد بھی کافی وقت جاری تھا اور بولشیوک انقلاب کے بعد وہ عملاً ختم ہوا ہے۔ اس لئے یہ لفظ اتنا پرانا بھی نہیں ہے۔ تاریخ اتنی دور نہیں' جسے قریب سے نہ دیکھ سکیں کہ ماضی میں کیا ہوتا تھا' بادشاہ وہ تھا' جو غلطی سے مبرا تھا' اس کے پاس ملازموں اور خدام کی فوج تھی' اس وقت یہ تھی دنیا کی حالت۔ اس کے بعد تبدیلی کیسے آئی۔ اس کی بڑی تاریخ ہے جو قرآن' مسلمانوں اور رسول پاک ﷺ کی ذات سے شروع ہوتی ہے اور پھر دیکھتے ہی دیکھتے سب کچھ تبدیل ہو گیا۔ اصطلاحات اور الفاظ سب تبدیل ہو گئے۔ عبادت کا لفظ استعمال ہوا۔ حضور سے پہلے پوری دنیا میں انسان کو خدا سمجھ کر پوجا جاتا تھا۔ یہی نہیں بلکہ ستاروں اور پتھروں کی بھی پوجا ہوتی تھی۔ ایک دور ایسا بھی آیا کہ درختوں اور جانوروں کی بھی پوجا ہوتی تھی اور ایک مخصوص دور میں مصر میں دریائے نیل میں موجود مگرمچھوں کی بھی عبادت کی جاتی تھی' اس لئے کہ یہ جانور انسانوں پر حملہ آور ہوتا تھا' جس کی وجہ سے اسے بڑا خدا تصور کیا جاتا تھا۔ مچھلیوں کی بھی عبادت کی جاتی تھی۔ مصر میں دیوکتھا میں اب تک مخصوص جانوروں کے سر موجود ہیں' جن کی عبادت کی جاتی تھی' جب تاروں' پتھروں' درختوں اور جانوروں کی پوجا کی جاتی تھی' پھر اگر انسان کی عبادت کی جائے تو اس پر متعجب نہیں ہونا چاہئے۔ انسان کی بادشاہ کے روپ میں بھی پوجا کی جاتی تھی' اس کے بعد ایک ہستی آئی' جس نے کہا کہ یہ انسان کے لئے زیبا نہیں۔ عبادت کی مستحق صرف اللہ کی ذات ہے۔ اس ہستی نے کہا کہ میں تمہاری طرح ایک فرد ہوں' میں تمہاری صحیح تعلیم و تربیت کے لئے آیا ہوں' یہ ہستی حضور ﷺ کی تھی۔ جنہوں نے فرمایا **'انا بشر مثلکم'** میں تمہاری طرح انسان ہوں' اس سے زیادہ کچھ نہیں۔ انسان سب ایک نسل سے تعلق رکھتے ہیں۔ تم میں کوئی شخص بھی رنگ' نسل اور قومیت کی وجہ سے افضل نہیں ہو سکتا۔ سب برابر ہیں۔ سب کی تخلیق ایک انسان سے ہوئی ہے۔ حضور ﷺ نے حالات میں اتنی تبدیلی پیدا کی کہ 'پوجا' کا لفظ ختم ہو گیا' اس کی جگہ عبادت کا لفظ مروج ہوا۔ جس کے معنیٰ میں خدمت سرانجام دینا شامل ہے۔ انگریزوں' جرمنوں اور فرانسیسیوں نے کلیساؤں میں پوجا کی بجائے 'خدمت' سروس لفظ کا استعمال کرنا شروع کیا' تم 'منشور' میں دیکھو گے' اس میں لکھا ہوا ہو گا کہ فلاں وقت پر چرچ میں سروس ادا کی جائے گی۔ پوجا کا لفظ عبادت میں تبدیل ہو گیا اور اس عظیم انسان نے فرمایا کہ میں صرف خدا کا بندہ اور رسول ہوں۔ تیرھویں صدی کے آخر میں میں نے ایک انگریز سے اسلامی اقدار کے معیار کے بارے میں سنا۔ ایک انگریز نے کہا کہ مسلمان کی حیثیت بندوں کی ہے' جب کہ ہم خدا کے بیٹے ہیں۔ میں نے انہیں کہا کہ ظاہر ہے' تم اچانک پیدا ہو گئے ہو' لیکن تیرہ سو سال تک اس بات کو حقیر سمجھا گیا کہ اپنے آپ کو بندہ سمجھا جائے' تم بندے ہو اور بڑے مقصد کی خاطر کی پیدا کئے گئے ہو۔ پھر تمہیں مر جانا ہے۔

تمہیں معلوم نہیں کہ تم کس کے بیٹے ہو' اس لئے کہ تم کوئی چیز نہیں ہو۔ چند سالوں کے بعد تمہارا وجود تک نہیں ہو گا۔ چند سال یہاں کسی مقصد کے لئے آئے ہو۔ قرآن شریف کہتا ہے کہ **'ما خلقت الجن والانس الا لیعبدون'** میں نے جن و

انس کو اپنی عبادت کے لئے ہی پیدا کیا ہے۔ ہر ایک کو ایک نصب العین کی خدمت بجالانی ہے۔ دوسروں کی خدمت سرانجام دینی ہے' اس طرح آفاقی خدمت کا سلسلہ جاری رہے گا۔ اگر خدمت کا یہ عمل ایک دن کے لئے بھی رک جائے۔ یعنی سورج' تاروں اور پانی کا عمل رک جائے (اور وہ خدمت سرانجام دینے سے باز آجائیں تو) تمہارا وجود ہی باقی نہ رہے۔ اس خدمت کی وجہ سے کائنات کی ہر چیز ایک مقصد کی تکمیل کرتی ہے۔ چاہے وہ چاند ہو یا سورج ہو' وہ اور کچھ نہیں' صرف خادم ہیں' سورج چکر کاٹتا ہے' اس طرح وہ اپنی ذمہ داری پوری کرتا ہے۔ وہ اپنے فرض کی ادائیگی میں ایک لمحہ بھی ضائع نہیں کرتا اور وہ روزمرہ کا کام سرانجام دیتا رہتا ہے۔ سورج کو کافی وقت تک عظیم خدا کی حیثیت سے پوجا جاتا تھا۔ کبھی اپالو' کبھی سوریا اور کئی ناموں سے اس کی تعریف کی جاتی تھی۔ سورج یقیناً تعریف کے لائق ہے۔ اس لئے کہ وہ خادم ہے۔

ابر و باد و مہ و خورشید ہمہ درکارند
تاتو نانی کہ بکف آری و غفلت نہ خوری

ہر چیز مشغول ہے اس لئے تاکہ انسان کی روٹی کے لئے سروس کی جائے' جب ہر چیز اپنی چھوٹی سی زندگی کی حفاظت کے لئے کھاتی پیتی ہے تو پھر انسان اس سلسلہ میں متفکر کیوں ہو' جب کہ وہ کائنات کی چیزوں کا مالک ہے' اسے بھی خدمت سرانجام دینی ہے۔ خدمت کے تصور کو ریگستان کی اس عظیم ہستی نے اتنا عام کر دیا کہ انگلینڈ کا ویلز شہزادہ جو خود کو خادم محسوس کہلواتے ہوئے شرم محسوس کرتا تھا اور انگلینڈ کے بادشاہ کے لئے یہ لفظ اجنبی تھا' اس نے بھی اپنے آپ کو خادم لکھنا شروع کیا۔ جب حضورﷺ نے خود خدمت سرانجام دی اور اسے عام کیا تو اس سے انسان کی نئے اقدار کا آغاز ہوا' اس کے بعد بادشاہ نے محسوس کیا کہ میں خدمت سرانجام دوں' دوسری صورت میں میرے لئے لوگوں کے پیسے کا استعمال حرام ہو گا۔ ان دونوں میں تیسری کوئی صورت موجود نہیں' آخر بادشاہ کے پاس وہ سب کچھ کیوں ہونا چاہئے' اگر وہ خدمت سرانجام نہیں دیتا تو دولت اور اختیار اس کا استحقاق کیوں ہے۔ اس طرح رسول اللہﷺ کی تعلیم نے اس تصور کو اجاگر کیا۔ کام کرنا' خدمت سرانجام دینا' آج کل دنیا میں اسلام سے ضد کی وجہ سے اسلام کے برپا کردہ اس انقلاب کا اعتراف نہیں کیا جاتا اور عیسائی دنیا اپنے آپ کو اللہ کا بیٹا اور ہمیں بندہ قرار دیتی ہے' لیکن درحقیقت وہ دل ہی دل میں سمجھتے ہیں کہ اس طرح وہ حق کا انکار کر کے جھوٹ بول رہے ہیں۔ اب صورتحال یہ ہے کہ جب کسی گورنر کی اعلیٰ خدمت کے ادارے سے خط و کتابت ہوتی ہے تو وہ لکھتا ہے' آپ کا فرمانبردار خادم (Your obedient servant) اور گورنر کو خط لکھنے والا بھی لکھتا ہے آپ کا فرمانبردار خادم۔ اب یہ فیشن ہو گیا ہے' جس کا آغاز تیرہ صدی پہلے ہوا تھا اور پہلی شخصیت جس نے یہ الفاظ استعمال کئے' وہ حضورﷺ کے جانشین حضرت ابوبکرؓ تھے۔

حضرت ابوبکرؓ جب خلیفہ کی حیثیت سے منتخب ہوئے تو آپ نے اپنی تقریر میں فرمایا: **'یا ایھا الناس انی قد ولیت علیکم لست بخیر کم'** تم نے مجھے اپنے معاملات کا ذمہ دار مقرر کیا ہے' ولیت' یعنی جس طرح تم کسی شخص کو مسجد کا متولی کہتے ہو۔ فرمایا **'لست بخیر کم'** یعنی میں تم میں سے بہتر نہیں ہوں۔ اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ اس میں کوئی شک نہیں کہ تم نے مجھے اپنے معاملات اور مسائل کے حل کے لئے منتخب کیا ہے۔ لیکن میں تم لوگوں سے بہتر نہیں ہوں۔ اس طرح ظل اللہ اور بادشاہی کا خدائی حق ختم ہو گیا۔ آپ نے مزید فرمایا کہ میں تمہارا منتظم ہوں اور کچھ نہیں۔ **'فان رایتمونی علی الحق فاعینونی'** اگر تم مجھے صحیح راہ پر دیکھو یعنی صحیح کام کرتے ہوئے حق پر گامزن ہوتے ہوئے دیکھو تو میرا ساتھ دو۔ لیکن اگر **'رایتمونی علی باطل'** مجھے غلط کام کرتے ہوئے دیکھو تو میری مخالفت کرو اور مجھے ایسا کرنے سے روکو۔

یہ وہ شخصیت تھی' جسے لوگوں نے ریگستان میں اپنی حکمرانی کے لئے ایک نئے قسم کا بادشاہ مقرر کیا تھا۔ وہ یہ تصور بھی نہیں کر سکتا

تھا کہ وہ کوئی عظیم انسان، ظل اللہ یا شہنشاہ کہلوائے۔ وہ لوگوں سے کہتے ہیں: اگر میں صحیح کام کروں تو میری مدد کرو اور اگر غلط کام کروں تو میری مخالفت کرو، مزید فرماتے ہیں کہ میری اطاعت کرو، بشرطیکہ میں اللہ کی اطاعت کروں۔ جب اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کروں تو میری اطاعت نہ کرو۔ تمہارا طاقتور میرے نزدیک ضعیف ہے، جب تک میں اس سے حق نہ لوں، اگر کوئی تم میں سے اپنے آپ کو طاقتور سمجھتا ہے اور کمزور کو پریشان کرتا ہے تو وہ میرے نزدیک کمزور ہے، جب تک میں اس سے حق نہ لوں اور تم میں سے کمزور میرے لئے طاقتور ہے، جب تک میں اسے حق لے کر نہ دوں، جو اس سے چھینا گیا ہے۔ اسی طرح وہ اپنی تقریر ختم کرتے ہیں۔ **واستغفر اللہ ولکم۔**

اب تم نے دیکھا کہ کس طرح ایک شخص عوام کے لئے نظام تشکیل دیتا ہے۔ اور کس طرح وہ ساری سوسائٹی کی نگہبانی کرتا ہے، ہمارے ہاں آج پولیس ہے، ان کے پاس پولیس نہیں تھی۔ یہ کام بھی وہ خود سرانجام دیتا ہے۔ دراصل وہ پہلا پبلک سرونٹ ہے جو پبلک کی خدمت سرانجام دیتا ہے اور وہ مسلسل اس بات کا جائزہ لیتا ہے کہ لوگوں کے مسائل حل ہو گئے، کسی شخص نے دوسرے پر ظلم تو روا نہیں رکھا۔ کسی طاقتور نے کسی کمزور کی حق تلفی تو نہیں کی۔

اس طرح ایک شخص کے تقرر کا ادارہ (Institution) وجود میں آیا۔ میں آپ کے سامنے امیر کا صحیح منظر پیش کرنا چاہتا ہوں۔ جیسا کہ حضورﷺ نے فرمایا تھا، جب تم میں سے چار آدمی سفر پر جائیں تو ایک شخص کو اپنا امیر مقرر کریں۔ اس لئے کہ اگر وہ کسی مرحلہ پر کسی بھی معاملہ میں متفق نہ ہوں تو ایک شخص تو ایسا ہونا چاہئے جس کا فیصلہ قبول کیا جائے اور سفر جاری رکھا جائے۔ تو امیر سفر کے انتخاب کی غرض یہی ہے، مثلاً سفر میں تین شخص ہیں۔ ایک کہتا ہے مشرق کی طرف چلو، دوسرا کہتا ہے کہ نہیں مغرب کا راستہ اختیار کرو، اب کون سا راستہ اختیار کیا جائے، اس طرح کے معاملات میں فیصلہ کے لئے امیر کی ضرورت ہوتی ہے۔

چنانچہ امیر کی اطاعت واجب ہے، دوسری صورت میں سفر میں مشکلات درپیش ہوں گی۔ اس لئے بہترین طریقہ یہ ہے، کسی بہتر شخص کو امیر منتخب کیا جائے، جس پر سب متفق ہوں اور اس کی اطاعت کی جائے۔ اکثر معاملات کے بارے میں یہی حکم ہے کہ ان مسائل کے حل کے لئے امیر کا ہونا ضروری ہے، جب کسی معاملہ میں اختلاف ہوتا ہے تو مختلف آرا سامنے آتی ہیں، کسی ایک رائے پر بھی اتفاق نہیں ہوتا، جس کا مطلب یہ ہے کہ جمود پیدا ہو گیا ہے اور سوسائٹی کی تنظیم متاثر ہے اور وہ غیر منظم ہے نیز وہ منقسم ہو گئی ہے اور اختلافات کا شکار ہو گئی ہے، اب اگر معاشرہ زندہ اور متحرک ہونا چاہتا ہے تو اس کے لئے اختلاف رائے اور معاملات کے سلجھاؤ کے لئے طریق کار واضح ہونا چاہئے، وہ طریقہ یہ ہے کہ ایک امیر مقرر کیا جائے۔ امیر کا انتخاب اکثریت رائے سے ہونا چاہئے، غرض کہ مشکلات سے نکلنے کا راستہ ہونا چاہئے۔

جمہوریت، امارت، امیر اور اکثریتی رائے یہ طریق کار ہیں تاکہ معاشرہ کو انتشار اور تفریق سے نکالا جا سکے۔ جب ہر شخص اپنی رائے کو درست سمجھنے لگے تو آخر فیصلہ کیسے ہو گا۔ اس کے لئے یہ طریق کار اختیار کیا گیا ہے، حضورﷺ نے فرمایا کہ جب کوئی مشکل پیش آئے تو اپنے میں سے بہتر فرد کا انتخاب کرو، جس کے حکم کی سب تعمیل کریں۔

ہم نے عبد سے گفتگو شروع کی تھی اور بتایا تھا کہ عبد کا لفظ موجود ہی نہیں تھا۔ سروس اور نوکری کا رواج ہی نہیں تھا۔ خدمت کو حقیر کام سمجھا جاتا تھا۔ لیکن بعد میں خدمت عظیم کام ہو گیا۔ کلیساؤں میں عبادت کو سروس کہا گیا۔ مسلمان مسجد میں عبادت سروس کے لئے جاتا ہے۔ چنانچہ سروس کی اصطلاح پچھلی تیرہ صدیوں سے اتنی مروج ہو گئی ہے کہ وہ فیشن کی صورت اختیار کر گئی ہے۔ اور 'خادم' کا لفظ عزت کا حامل بن گیا ہے۔ کلام الٰہی میں ہے کہ کائنات کی ہر چیز عبد ہے۔ اس کے سوا اس کی کوئی حیثیت ہی نہیں، ساری کائنات خادم ہے اور وہ خدمت میں مصروف ہے اور اپنے مخصوص اوقات میں وہ خدمت کا فریضہ سرانجام دیتی ہے۔ جہاں تک پبلک سرونٹ

کی بات ہے تو پہلے پبلک کو کوئی حیثیت حاصل نہیں تھی۔ راجا اور بادشاہ اللہ کے ظل شمار کیے جاتے تھے۔ پبلک کی خدمت کو حقیر کام سمجھا جاتا تھا۔ امراء عوام کو جانوروں کے مثل شمار کرتے تھے' اب صورتحال یہ ہے کہ کم از کم دکھاوے کی حد تک ہی ملک کے صدر اور وزیراعظم تک یہ کہتے ہیں کہ ہم عوام کے خادم ہیں۔

ایک نوجوان نے مجھ سے دریافت کیا کہ وکالت کا پیشہ کیسے ہے' میں نے اسے جواب نہیں دیا اور وہ متذبذب رہا۔ وہ مجھ سے یہ بھی پوچھ سکتا ہے کہ وزیراعظم ہونا کیسے ہے۔ نیز پبلک سرونٹ ہونا کیسا ہے۔ کیا سپاہی ہونا بہتر نہیں ہے؟ یہ سارے خدمت کے کام ہیں' لیکن بدقسمتی سے آج کل پبلک سرونٹ' شہرت اور دولت سے شروع ہوتی ہے اور خدمت کی بجائے پبلک کو لوٹنے' دولت کمانے اور بڑا بننے کا ذریعہ بن گئے ہیں۔ سامعین سے درخواست کروں گا کہ وہ دیانتداری سے بتائیں کہ جب چھوٹے بچے کو ماں اسکول بھیجتی ہے تو اسے کیا کہتی ہے۔ کیا یہ نہیں کہتی کہ تم پڑھ کر ڈپٹی کلیکٹر بنو گے اور دولت کماؤ گے۔ اس طرح ہم بڑا گھر تعمیر کریں گے اور ساری چیزیں خریدیں گے۔ اس انداز فکر سے لڑکوں کو دنیا پرستی اور مادیت پرگامزن کرنے کی راہ ہموار کی جاتی ہے۔

ایک صاحب نے میری تقریر سن کر کہا کہ ہم وفد کی صورت میں آپ کے پاس آئیں گے اور آپ سے دریافت کریں گے کہ کیا موجود دور میں اس طرح صاف زندگی گزارنا ممکن ہے' جیسی آپ کہتے ہیں یا آپ کی باتیں محض تخیلات ہیں۔ وفد کی صورت میں ان کی آمد کا مقصد یہ تھا کہ میں جو گفتگو کر رہا ہوں۔ وہ احمقانہ گفتگو ہے اور حالات کو نہ سمجھنے کا نتیجہ ہیں اور یہ چیزیں موجودہ دور میں ناقابل عمل ہیں۔ اس وفد نے یہ سوچنے کی زحمت نہیں کی کہ عمل کا مقصد کیا ہے؟ پریکٹیکل کا معنی ہے کر کے دکھانا۔ ان کے نزدیک عملاً ممکن ہے سے مراد یہ ہے کہ دولت کمانا' لذت حاصل کرنا اور عیش عشرت کرنا' چونکہ یہ افراد معاشرہ کی عام روش ہے' اس لئے اس روش سے ہٹنا کس طرح ممکن ہے۔ (افسوس ہے کہ مقصد زندگی فراموش ہونے کی وجہ سے ممکن چیزیں ناممکن نظر آتی ہیں) اب جب کہ معاشرہ میں صاف اور پاکیزہ زندگی کی مثالیں نہ ہونے کے برابر ہیں تو ایسی صورتحال میں یہ بات واقعی عجیب لگ رہی ہے کہ میں مثالی عمل کا مطالبہ کر کے پہاڑ سے کیوں ٹکراتا ہوں؟

اس سے ایک بات جو ثابت ہوئی ہے' وہ یہ ہے کہ ہمارے ہاں تصور یہ ہے کہ برائی سے بچنے اور نیکی پر گامزن ہونے کے لئے بہتر معاشرہ کا ہونا ضروری ہے۔ دوسری صورت میں برائی سے نہیں بچا جا سکتا (یہ معاشرہ کا وہ جبر ہے' جس سے افراد متاثر ہیں)

لیکن اس سلسلہ میں آپ کے سامنے ایک عورت کی مثال پیش کرتا ہوں' جسے امام غزالی نے اپنی کتاب میں پیش کیا ہے (یہ واقعہ معاشرہ کے جبر کے مقابلہ کا زندہ ثبوت ہے) امام صاحب لکھتے ہیں' جب بغداد کا معاشرہ زوال پذیر ہوا تو ایک عورت جو وہاں خوشحال زندگی گزار رہی تھی۔ وہ بغداد سے نکل کر ویران جنگل میں جا کر آباد ہوئی۔ اس کی عمر کوئی ستر اسی سال کے لگ بھگ تھی۔

اتفاق یہ ہوا کہ ایک شخص حج سے واپسی پر راستہ بھول گیا اور ایسے جنگل میں پہنچ گیا' جو ویران تھا' تیسرے دن اسے ایک جھونپڑے میں عورت نظر آئی' اس نے اس سے پانی مانگا۔ کہا کہ میں تین دن سے بھوکا اور پیاسا ہوں' خاتون نے اسے ڈول دیا اور اشارہ کر کے کہا کہ فلاں جگہ کنواں ہے' وہاں سے پانی نکال کر پیئو۔ اس نے جب کنواں دیکھا تو وہ خراب حالت میں تھا اور پانی بھی بدبودار تھا۔ اس نے پانی لا کر خاتون کو دکھایا عورت نے کہا کہ یہاں یہی پانی ہے۔ میں بھی یہی پانی پیتی ہوں۔ بالآخر اس نے پیاس بجھانے کے لئے پانی کے دو تین گھونٹ پی لیے۔ اسی طرح جب اس نے خاتون سے روٹی کے لئے کہا تو اس نے کہا کہ لکڑی لو اور اس وادی میں جا کر ایک دو سانپ مار کر لاؤ۔ میں تمہیں پکا کر دوں گی' اسے کھا لینا' اس نے کہا سانپ کھانا کس طرح ممکن ہے۔ عورت نے کہا' میرے پاس کھانے کے لئے یہی کچھ ہے۔ وہ شخص کچھ مذبذب ہو

گیا' چنانچہ بوڑھی خاتون اس کے ہمراہ ہوئی اور وادی میں جا کر وہاں اس شخص سے سانپ مروائے۔ آخر میں اس شخص نے عورت سے پوچھا کہ تم یہاں ویرانے میں کیوں رہ رہی ہو۔ نیز بغداد یہاں سے کتنا دور ہے۔ خاتون نے کہا کہ بغداد دو تین گھنٹے کا فاصلہ ہے۔ مسافر نے کہا' جب بغداد یہاں سے اتنا قریب ہے تو تم بغداد کے دریائے فرات کے پانی سے کیوں محروم ہو۔

خاتون نے کہا' ایسا نظام جس میں روزانہ کوتوال آ کر میرا دروازہ کھٹکھٹائے اور ٹیکس کا مطالبہ کرے' اور جس نظام میں جان' مال اور عزت آبرو کا تحفظ نہ ہو' اس نظام میں حاصل سہولتوں سے بہتر یہ ہے کہ میں آزادانہ زندگی گزاروں' جس میں کھانے پینے کی سہولتیں حاصل نہ ہوں تو کوئی حرج نہیں۔ لیکن میری آزادی پر تو کوئی قدغن نہیں۔ میں اپنی اس زندگی کو بغداد کی پابند زنجیر زندگی پر ترجیح دیتی ہوں۔

امام غزالی کہتے ہیں اگر انسان آزاد زندگی گزارنا چاہے تو وہ قربانی کی اس حد تک جا سکتا ہے۔ اس زمانے میں غزالی کو کہا گیا کہ وہ کالج کے پرنسپال کے عہدے پر فائز ہو جائیں' لیکن انہوں نے بالکل انکار کر دیا۔

امام غزالی نے تو یہ تک کہا ہے کہ ایسی مسجد میں نماز پڑھنا جائز نہیں' جس میں حکومت کی طرف سے چراغ کے لئے تیل کا انتظام ہوتا ہو' اس لئے کہ جن پیسوں سے تیل خریدا جاتا ہے وہ حرام اور ناجائز پیسے ہیں اور غیر قانونی طور پر حاصل کئے جاتے ہیں۔

چنانچہ امام غزالی حکومت سے بے نیاز ہو کر آزاد زندگی گزارنا چاہ رہے تھے' حالانکہ سلطان اور اس کے وزیر اسے ہر عہدہ دینے کے لئے تیار تھے' لیکن انہوں نے اسے قبول نہیں کیا' اس سلسلہ میں کتنا اچھا شعر کہا گیا ہے:

گرت ہوا ست کہ باخضر ہمنشیں باشی
بہ پیش چشم سکندر چو آب حیواں باش

خضر (جو راستے کی رہبری کرنے والا ہے) اگر تم اس کے قریب آ کر بیٹھنا چاہتے ہو تو پھر تمہیں اپنے کو سکندر کی نظروں سے بچانا چاہئے' بالکل اس طرح جس طرح آب حیوان لوگوں کی نظروں سے پوشیدہ ہے۔ سکندر آب حیوان حاصل کرنا چاہتا تھا' لیکن وہ حاصل نہ کر سکا۔ اگرچہ خضر نے اس کی رہنمائی کی' لیکن جب اسے آب حیوان حاصل ہوا تو وہ پی نہ سکا' اس طرح وہ آب حیات سے محروم رہا۔ حافظ کہتے ہیں کہ سکندر کی نظروں سے محفوظ ہو' جس طرح آب حیات ہے' دوسری صورت میں تمہیں رہنمائی کی امید نہیں رکھنی چاہئے' ایسی زندگی جس میں تم دربار میں جاتے ہو' حکمرانوں کی خوشامد کرتے ہو اور انہیں اپنا ان داتا سمجھتے ہو تو اس صورت میں صحیح راہ کی نشاندہی کرنے والے خضر کی معیت کیسے حاصل ہو سکتی ہے۔ بادشاہ اور حکمرانوں کی قربت کی آرزو بھی ہو اور صراط مستقیم کی تمنا بھی' تو یہ مشکل ہے۔ فرد کو ان ساری چیزوں (زنجیروں) سے آزاد ہونا چاہئے تاکہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کر سکے اور دوسروں کی غلامی سے آزاد رہ سکے۔ ہمارے دین میں اکراہ نہیں ہے' ہر مرد اور عورت ذمہ دار اور جواب دہ ہے۔' اس طرح اکراہ اور جبر کو ختم کیا گیا اور سماج تشکیل دیا گیا' جو ایک نظام کا پابند ہے' جس میں اختلاف اور زور زبردستی نہ ہو گی۔ اس میں ہر شخص کو آزادی حاصل ہو گی۔ ہر شخص اپنی مرضی سے خدا کی عبادت کرے گا' آج کل کم از کم ایک امریکی بظاہر اس عہد نامہ کا اعتراف و اقرار کرتا ہے' یہ منشور بالکل اس الکتاب اور نبی ﷺ کی تعلیمات کا عکس ہے۔ جسے ہم نے بالکل فراموش کر دیا ہے۔ انسانی آزادی کا یہ منشور الکتاب سے پہلے موجود ہی نہیں تھا اور فطرت بھی اس بات کی متقاضی تھی کہ اس منشور کو اس سے پہلے ظاہر نہیں ہونا چاہئے تھا' کیونکہ انسان بتدریج ارتقاء کر رہا ہے' جو چیز بچپن میں ممکن نہیں ہوتی' وہ بلوغت کے بعد ممکن ہوتی ہے۔ اب انسان آزاد ہے جیسا کہ میں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے اسے آزادی دی ہے' یہاں تک کہ اسے خدا کے وجود کے اقرار و عدم اقرار کی بھی آزادی حاصل ہے' اسے مجبور نہیں کیا جا سکتا ہے۔ 'لا اکراہ فی الدین' (لیکن آزادی سے فائدہ اٹھا

کر حق کی تلاش کا سفر جاری ہونا چاہئے)۔

مہربان دوستو! یہ زندگی کا صحیح راستہ ہے' اسے چھوڑا نہیں جاسکتا۔ یہ بنیادی فریضہ ہے۔ یامرون بالمعروف و ینھون عن المنکر۔ تم سے زبردستی نہیں کی جاسکتی۔ کیونکہ ایمان اور عقیدہ کا تعلق دل سے ہے۔ ذہن آزاد ہے' اسے کنٹرول نہیں کیا جا سکتا۔ انسان اپنی مرضی سے سوچتا ہے۔ فرد ہمارے سامنے کہہ سکتا ہے کہ میں یقین کرتا ہوں' لیکن اس طرح جبر سے اقرار کرنے کا کیا فائدہ ہوگا۔ اس لئے انسان کو مجبور نہیں کیا جاسکتا۔ ہمیں آزاد خطے میں آزاد لوگوں کی تشکیل کرنی ہے' ہر شخص کو اللہ کی عبادت کی آزادی حاصل ہو' لیکن اس آزادی کے ساتھ ساتھ امر بالمعروف کا حکم بھی ہے۔ جب اس طرح کی سوسائٹی متشکل ہوگی تو اس معاشرہ کو ہی قرآنی اور اسلامی معاشرہ کہا جاسکے گا۔ اس طرح کی سوسائٹی کو فطرت اور قانون کی فطرت کے میلاپ والی سوسائٹی کہا جا سکتا ہے۔ اس منزل کے حصول کے لئے راستے اور ذرائع تلاش کرنے پڑیں گے۔ یہ ذرائع محدود نہیں۔ خصوصی صلاحیتوں کے حامل افراد کے لئے خاص ذرائع اختیار کرنا ضروری ہیں۔ اصل مقصد قرآن کے بنیادی اصولوں پر عمل پیرا ہونا ہے۔

ہم پبلک سرونٹ کے موضوع سے کچھ ہٹ گئے ہیں۔

پبلک سرونٹ کو عوام کی خدمت کا فریضہ سرانجام دینا ہے' اسے صاف ذہن سے یہ کام کرنا ہے کہ میں ان اصولوں اور مقاصد کے مطابق سوسائٹی میں انصاف قائم کروں۔ کمزور کو طاقتور بنادوں۔ کمزور اور بے بس عورت کو سہارا دیا جائے اور غریب کو اتنا تحفظ حاصل ہو کہ کسی ظالم و طاقتور کو اسے ستانے کا حوصلہ نہ ہو سکے۔ ابوبکرؓ نے فرمایا کہ تم میں سے کمزور میری نظر میں اس وقت تک طاقتور ہے' جب تک میں اسے اس کا غصب شدہ حق نہ دلا دوں' تم میں سے طاقتور میرے لئے کمزور ہے' جب تک میں اس سے وہ کچھ حاصل کروں' جو اس نے کمزور سے جبراً چھینا ہے۔ اس حد تک قانون کی بالادستی ہو۔ یہ پبلک سرونٹ کے کرنے کا کام ہے۔ انہیں اس کا معاوضہ ملتا ہے۔

میں نے اس دن کہا تھا کہ خاندانی نظام کے بارے میں دنیا اس نتیجے پر پہنچی ہے کہ ہمارے ہاں اب صرف خاندانی نظام باقی رہا ہے' اس میں حکم اور اطاعت کا تصور ختم ہو گیا ہے۔ حکمرانی پرانے تصور کے تحت نہیں بلکہ اس تصور کے تحت جس کے مطابق خاندانی معاملات چلائے جاتے ہیں۔ ہر ایک کے لئے خاص اصول کی ضرورت ہوتی ہے۔ پولیس کے فرائض بھی بجالائے جاتے ہیں تاکہ طاقتور کمزور کی حق تلفی نہ کر سکے۔ قرآن کی فلاحی اسٹیٹ وہ ہے جس میں کوئی ضرورت مند باقی نہ ہو۔ کوئی شخص کسی کا غلام نہ ہو۔ اگر لڑکا چھوٹے بچے کو مارتا ہے تو یہ باپ کی ذمہ داری ہے کہ وہ گھر میں ضابطہ رکھے۔ ایسا نہ ہو کہ بڑا لڑکا چھوٹے بچوں کو مارے' آج اس طرح کے ماحول کو پولیس اسٹیٹ کہا جاتا ہے۔ دوسری طرف فلاحی ریاست کا مطلب یعنی ضرورت مندوں' بیماروں' محتاجوں اور بھوکوں کی دیکھ بھال کرنا ہے۔ جب یہ سارے تقاضے پورے ہوتے ہیں تو مسلمانوں کا سیاسی یونٹ وجود میں آتا ہے۔ اگر یہ ذمہ داریاں ادا نہ ہوں یا کوئی شعبہ بھی اپنے فرائض ادا نہ کرے تو کچھ نہیں ہوتا۔

یہ ہے پبلک سرونٹ کا تصور! لیکن آج ہمارے پبلک سرونٹ کون ہیں؟ پولیس کا کردار کیا ہے۔ پلیڈر کیا کر رہا ہے؟ وہ کس طرح کوشش کر رہا ہے کہ لوگوں کو انصاف نہ ملے۔ ہماری پولیس کمزور پر حکمرانی کرنے کا ذریعہ ہے۔ پبلک سرونٹ نے ملک وقوم کی جو درگت بنائی ہے' وہ قابل رحم ہے' ہماری حالت یہ ہے کہ ہم دنیا کو منہ دکھانے کے قابل ہی نہیں رہے۔ ہماری حالت حیوانوں کی طرح ہوگئی ہے۔ یہ شرم کی بات ہے کہ ہم اپنا چہرہ اپنے آپ کو ہی نہیں دکھا سکتے۔ چوری' دھوکہ دہی' فریب' لالچ کون سی برائی ہے' جو ہمارے پبلک سرونٹ میں موجود نہ ہو۔

پبلک کا خادم (پبلک سرونٹ) کا لفظ کہاں سے شروع ہوا تھا۔ کس شخصیت نے ہمیں یہ خوبصورت اور عمدہ لفظ دیا۔ جس میں حکمرانی کا تصور غائب ہے۔ کوئی ظل الٰہی نہیں ہے۔ اس شخصیت نے کہا کہ اگر میں غلط کام کروں تو مجھے سیدھا کرو۔ تم نے مجھے اپنے

معاملات کا منتظم مقرر کیا ہے' میں جب غلطی کروں تو تم میری مدد نہ کرو' ہم اسی امیر المومنینؓ کے نام لیوا ہیں اور اسلام کے دعویدار ہیں' کیا ہم نے ایسا دستور تشکیل دیا ہے' جس طرح کے ذریعہ قرآن کا فرمان غالب اور جاری ہو۔ حقیقت یہ ہے کہ اگر ہم اپنی تعلیمات پر عمل کریں تو ہم دنیا میں سرخرو ہو سکتے ہیں بلکہ میں اس ذات کی قسم کھا کر کہتا ہوں' جس نے مجھے پیدا کیا ہے کہ اسلام پر عمل کرنے کے نتیجہ میں ساری دنیا ہمارے سامنے گھٹنے ٹیکنے پر مجبور ہوگی۔

وہ جدید دنیا جس نے پبلک سرونٹ جیسے تصورات اسلام اور مسلمانوں سے لئے' انہوں نے احسان فراموشی کی ہے' اس میں امریکی' جرمن' فرنچ اور انگریز وغیرہ سب شامل ہیں۔ انہوں نے انسانیت پر اسلام کے احسانات کو نظر انداز کر کے حقائق کو چھپانے اور غلط تاریخ پیش کرنے کی کوشش کی ہے۔ جنہوں نے انہیں روشنی دی' انہیں مغرب نے اندھیرے میں رکھنے کی کوشش کی۔ اب تک وہ اس پالیسی پر گامزن ہیں۔ اگر ہم اپنے مقام کو جانتے ہوتے تو آج ہماری حالت بہت مختلف ہوتی۔ ہم علوم وفنون میں ماہر ہوتے۔ حق و صداقت کے زندہ نمونہ ہوتے۔ ہمیں اپنا محاسبہ کرنا چاہئے۔

پریمیئر' پریزیڈنٹ' پولیس' پبلک سرونٹ' پبلسٹی' پروپیگنڈہ یہ سب 'P' کے الفاظ ہیں۔ لیکن وہ پرنسپل (اصولوں) سے خالی ہیں۔ میں آپ کو شیکسپیئر کی کتاب 'رچرڈ دی سیکنڈ' کی چند سطور سناتا ہوں۔ جس میں دو قاتل 'ضمیر' کے بارے میں گفتگو کرتے ہیں' وہ قاتل ایک دوسرے سے کہتے ہیں کہ اس ضمیر کو دیس نکالا دینا چاہئے۔ ضمیر احمق چیز ہے' جو ہمیں کوئی کام کرنے نہیں دیتا۔

حضرات! آج کا عنوان پبلک سرونٹ تھا۔ کوشش کر کے اپنے آپ کو پبلک سرونٹ بنائیں۔ آپ کو اس بات کا بھی ادراک ہونا چاہئے کہ وہ کون سی شخصیت تھی' جس نے ہمیں اللہ اور کائنات کے سرونٹ کا راستہ دکھایا۔ کیا اللہ کا خادم اور غلام ہونا' یہ کوئی معمولی اعزاز ہے؟

کیا یہ تمہارے لئے چھوٹا اعزاز ہے! نہیں! اللہ تعالیٰ کا خادم عباداللہ ہونا بہت بڑی بات ہے' جسے ہم سمجھنے سے قاصر ہیں۔ یہ خان بہادر جیسا نہیں۔ یہ اس سے بالکل مختلف اعزاز ہے' جب حقیقی طور پر اس اعزاز کے مستحق ہو گے تو تمہیں معلوم ہوگا کہ اس کا معنیٰ کیا ہے۔ خان بہادر' سی آئی اے یا کے سی آئی جیسے شاہانہ القاب عوام سے دھوکہ دہی کے نتیجہ میں حاصل ہوتے ہیں۔ لیکن عباداللہ کا لقب عوام کی خدمت کے ذریعہ حاصل ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنی چاہئے' یہ بڑی بدیانتی کی بات ہے کہ ہم نے اپنے آپ کو فراموش کر دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے بہت سی چیزیں پیدا کی ہیں۔ تم نے کبھی فلکیات کے نظام پر سوچا ہے کہ تمہارے اوپر کتنا عظیم نظام قائم ہے۔ قریب سے قریب ستارہ بھی چار نوری سال دور ہے۔ لائیٹ ایک سیکنڈ میں ایک لاکھ چھیاسی ہزار میل سفر کرتی ہے۔ اب حساب لگائیے کہ یہ ستارہ کتنا دور ہے اور اس سے بہت عظیم کائنات اور کائنات کی خالق ہستی کے بارے میں سوچو جسے ہم اللہ کہتے ہیں۔

خان بہادر' کی' سی' آئی وغیرہ اس عظیم ہستی کے خادم ہونے سے زیادہ اہم نہیں۔ اس کے بارے میں ہمیں خلوت میں تفکر کرنا چاہئے اور اللہ کی عظمت وجلال اور اس کی طاقت پر بھی غور کرنا چاہئے۔

فرمان قائدؒ

اسلامی اصولوں کا کوئی جواب نہیں ہے۔ آج بھی یہ اصول زندگی میں اسی طرح قابل نفاذ ہیں جیسے کہ یہ تیرہ سو سال پہلے تھے۔

متفقین تحریک طلوع اسلام کے نام نمائندہ بزم لاہور کا

کھلا خط

جیسا کہ آپ جانتے ہیں کہ بزم طلوع اسلام لاہور جو ایک مرکزی بزم ہے' سالہا سال سے یہ محسوس کر رہی ہے کہ وہ اپنے دفتر کے لئے مالکانہ حقوق پر کسی مناسب جگہ کا انتظام کر سکے۔ ظاہر ہے کہ اس پروگرام کو پایہ تکمیل تک پہنچانے کے لیے مبلغ تیرہ چودہ لاکھ کی کثیر رقم مطلوب ہوگی لہٰذا اس کے لیے آپ کا عملی تعاون اشد ضروری ہے۔ اس سلسلے میں ایک تجویز یہ بھی ہے کہ وہ احباب جو معاشرتی اعتبار سے اپنی ذمہ داریوں سے کافی حد تک عہدہ برآ ہو چکے ہوں اور ان کے پاس مالی وسائل (خواہ وہ شہری ہوں یا دیہاتی' زرعی زمین کی شکل میں ہو یا کسی سکنی پلاٹ کی شکل میں) اور وہ انہیں اس پروگرام کی تکمیل کے لیے پیش کر سکیں تو ان کی یہ مالی امداد ہمارے اس پراجیکٹ کو پایہ تکمیل تک پہنچانے میں یقیناً ممد و معاون ثابت ہوگی۔ اس تجویز کو عملی جامہ پہنانے کے لیے نمائندہ بزم لاہور کا پیشگی شکریہ قبول کیجئے۔

رقم بذریعہ چیک یا بنک ڈرافٹ ارسال کرتے وقت یہ وضاحت ضرور کر دیں کہ مذکورہ رقم بزم طلوع اسلام لاہور کے بلڈنگ فنڈ میں ارسال کی جارہی ہے۔ اکاؤنٹ نمبر درج ذیل ہے۔

ادارہ طلوع اسلام کا اکاؤنٹ نمبر 7-3082'

نیشنل بنک' مین مارکیٹ' گلبرگ لاہور

رابطے کے لئے منتظر

محمد اشرف ظفر

بسم اللہ الرحمن الرحیم

رحمت اللہ طارق

قصۂ فیل شبہات کے بھنور میں

دو چار ماہ ہوئے ایک صاحب نے ٹیلی فون پر فرمایا تھا کہ فیل کے معنیٰ ایک بدصورت حیوان کے ہیں اس سے ہاتھی مراد نہیں ہے۔ یہ جانور عرب میں نہیں ہوتا تھا لہٰذا قرآن پاک میں اس کا ذکر خلاف واقعہ ہے۔ اس کا میں نے مختصر سا جواب دیا تھا مگر جناب مطمئن نہیں ہوئے۔ میں ایک کم علم طالب علم ہوں' میرے استقرا کے مطابق فیل کو ہاتھی کے مفہوم میں استعمال کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ مجھ پر ایک زمانہ ایسا بھی گذرا ہے کہ میں قرآن کے بارے میں جارحانہ لہجہ میں بات سننا گوارا نہ کرسکتا تھا' میرا جسم مرتعش ہوجاتا' نتھنے پھول جاتے اور سکڑ جاتے اور میری کیفیات میں عجیب قسم کا اتار چڑھاؤ آجاتا۔ کسی نے کہا کہ قرآن محکم میں ایسی ایسی مبہم شخصیات کا ذکر اور مقامات کا تذکرہ ہوتا ہے جن کا حقیقت سے دور کا رشتہ بھی نہیں ہوتا لہٰذا بہت سی خلاف واقعہ باتوں کے ذکر سے قرآن کی حقانیت مشتبہ ہوجاتی ہے مثلاً عربی میں سمندر کو بحر کہا جاتا ہے جو پورے جزیرۃ العرب کو گھیرے میں لئے ہوئے ہے اور دریاؤں کو نھر۔ یا انھار کہا جاتا ہے جبکہ پورے عرب میں دریاؤں کا نشان ہے نہ پتہ اور نہ ہی دیگر تاریخی مقامات کی نشاندہی۔۔ کہنا چاہوں گا کہ ان دنوں عنفوان شباب تھا برداشت کی سکت نہ تھی ایسی تشویشناک باتیں سن کر میرے اپنے طربوش کے پھندنے میں غرور وفتور کے تانے بانے کام کررہے تھے لہٰذا ایسی باتیں سن کر میرے جیسے منچلے سے کہاں رہا جاتا' میں نے للکار کر کہا کہ او عقل کے اندھو! جزیرۃ العرب میں ایک چھوڑ چار دریا موجود ہیں دجلہ۔ جس نے بغداد کو دو حصوں میں تقسیم کررکھا ہے۔ اتنا تیز رفتار اور گہرا پانی ہے کہ سٹیمرز وغیرہ بھی چلتے رہتے ہیں۔ دوسرا دریائے ''فرات'' ہے جو ترکی اور شام سے گذر کر جنوبی عراق میں شط العرب میں گرتا ہے اسی طرح دمشق کو دو حصوں میں تقسیم کرنے والی نہر ''بردیٰ'' Barda ہے جو چھوٹی چوڑائی کے باوجود تیز دھار ہے۔ نیز اردن کے مغربی کنارے پر کم چوڑائی مگر گہرائی میں بہنے والا دریائے اردن ہے۔ علاوہ ازیں شام و لبنان کے کئی حصوں میں کاریزی نہریں دندنا رہی ہیں۔ کیا یہ سب خلاف واقعہ اور قرآن کی غلط بیانی کا ثبوت ہیں۔ کیا یہ دریا حقیقی وجود نہیں رکھتے تھے۔ قرآن نے اپنی زبان میں انہیں انھار۔ کہہ کر غلط تولا ہے؟ لیکن ان ہی دنوں مجھے شدید دھچکہ رسید ہوا کہ امام سیوطی (۱۵۰۵م) جیسے علوم وفنون پر کثرت سے لکھنے والے نے بھی دبے لفظوں میں اعتراف کررکھا تھا' انہوں نے ''مبہمات القرآن'' کے عنوان سے ایک کتاب لکھ رکھی تھی جو میں نے اس خیال سے کہ اس میں جن مبہمات کی نشاندہی کی گئی ہے انہیں میں کھولنے کی کوشش کروں گا لیکن کچھ کرنے سے پہلے ہی میرا دل بیٹھ گیا کیونکہ یہ مبہمات نہیں تھے۔ بعض مقامات کا نام لئے بغیر اشاروں اشاروں میں ذکر تھا اور بس اور اشارہ نہ خود مبہم ہوتا ہے نہ

مبہمات کی طرف ہوسکتا ہے بلکہ عربی میں ضرب المثل ہے العاقل تکفیہ الاشارۃ۔ عقلمند کو اشارہ کافی ہے کہ اشارے کی زبان فصاحت سے زیادہ بلیغ اور واضح ہوتی ہے۔ بہرحال عرصہ پچاس سال کے بعد میں نے سیوطی کی مبہمات القرآن ہمدرد یونیورسٹی کی بیت الحکمہ لائبریری کو بمع دیگر کتب فروخت کر کے ایک بڑے درد سر سے چھٹکارا حاصل کیا۔۔ بعد میں تقسیم ملک پر کسی نے بتلایا کہ تم جس تحقیق پر اترا رہے ہو تمہارے علامہ نیاز فتح پوری بھی اس کے قائل ہیں چنانچہ میں نے لکھنو سے من و یزداں کی دونوں جلدیں منگوا لیں تہمت بجا تھی تاہم عدم تقلید کے باعث قابل تسلیم نہیں تھی۔ چنانچہ سائل و مسئول کا مجھ پر اثر نہیں ہوا کہ میں نے خود بھی قرآن کے تاریخی مقامات کو کھنگالنا شروع کر دیا تھا۔ میری میزان القرآن کے دوسرے حصے کے ۱۳ مقالے اس پر گواہ ہیں۔ فوٹوز کے شمول سے میں نے اپنی باتوں کو کافی سنبھالا دیا ہے البتہ علامہ نیاز فتح پوری نے انه لقول رسول کریم۔ یہ کہہ کر جارح کی تائید کر دی کہ قرآن رسول کا کلام ہے جس میں تاریخی غلطیاں ہو سکتی ہیں۔ (عیاذ باللہ) اس طرح یہ ایک بڑی خرابی کا اعتراف تھا کہ یہ قرآن، کلام مفتریٰ بھی ہوسکتا ہے جبکہ اس کی بابت سخت وارننگ ہے کہ یہ کلام مفتریٰ نہیں ہوسکتا۔ تاہم شکر ہے کہ بعض دانشوران قرآن کے متوجہ کرنے پر علامہ فتح پوری محترز ہوئے اور قرآن کو لفظاً اور حرفاً کلام خدا تسلیم کرنے لگے۔ الحمد للہ۔

اسی طرح آج اگر کوئی صاحب کسی کج فہمی کا شکار ہیں تو اس کے لئے ادبیات عرب سے رجوع کیا جا سکتا ہے۔ سرزمین عرب میں یاجوج ماجوج کا نہ وجود ہے نہ نشان و پتہ۔ بایں ہمہ انبیاء اور کہف میں نام لے کر ان کا ذکر کیا گیا ہے تو یہ خلاف واقعہ کیسے ہوا؟ ذوالقرنین۔ دسطی ایشیائی ایک گمنام شخص کا نام ہے۔ عرب والے اسے نہ نام سے جانتے تھے نہ وصف اور علم سے۔ اس کے باوصف قرآن محکم میں اس پختہ وصف سے اس کا ذکر ہوا ہے جیسے کسی عربی شخصیت کا ہو۔ تاہم فرض کرو بادی النظر میں ایک چیز کا وجود نہیں ہے لیکن قرآن محکم اسے باوجود حیثیت سے ذکر کرتا ہے تو ہمیں اعتماد کرنا چاہئے کہ قرآن نے سچ کہا ہے اس طرح ہمیں قرآن پر، رسول پر اور اپنے رب پر اعتماد کو مجروح نہ کرنا چاہئے۔

مسلمان مورخوں میں سے کسی نے جہاں کہیں قدرت خیال کا مظاہرہ کیا بہت جلد پھسلتا چلا گیا۔ فرمایا جاتا ہے کہ قرآن محکم ہڈیوں، چیتھڑوں اور نہ معلوم کس کس چیز پر لکھا جاتا رہا۔ اس طرح وہ دور از کار باتیں بناتے رہے اور ''قرطاس'' (انعام ۷) جو قرآن نویسی کے لئے موزوں، دستیاب اور مناسب ذریعہ نوشت تھا اس کا نام ہی نہیں لیا اور جو اشیاء کتابت کے لئے کوئی محکم اساس فراہم ہی نہیں کر سکتی تھیں انہیں بالوجہ ادوات کتابت میں ذکر کر دیا۔ اب اگر ہمت کر کے ایک چوہا۔ ہڈی یا چیتھڑے کو کھسکا لے تو العیاذ باللہ پورا قرآن دھڑام سے نیچے آ رہے ثم العیاذ باللہ۔ کتنی معقول بات ہے کہ قرآن اگر لکھنے کی مناسبت سے قرطاس پر منتقل تسلیم کیا جائے تو دیگر ہمہ تکلفات ختم ہو کر رہ جائیں۔

دوسرا یہ بھی کہا جاتا ہے کہ عربی حروف کی شکل اور نقطوں کا مسئلہ بھی بحث طلب ہے کہ حجاج بن یوسف سے پہلے لفظوں کا وجود ہی نہیں تھا لیکن پھر حروف اور لفظوں میں بن نقطوں کے اشتباہ دور کرنے کی کیا صورت تھی؟ حقیقت یہ ہے کہ یہ حضرات جن ٹامک ٹوئیوں میں گم کردہ راہ ہیں نہیں جانتے کہ آج تحقیق و ریسرچ نے اس مسئلہ کو سب سے زیادہ لیا اور سب سے زیادہ وثوق سے حل کر دیا ہے۔ اثری اکتشافات اور کندہ تحریروں کی برآمد شدہ تصویروں نے سب سے زیادہ نقطوں کی قدیم سے ایجاد اپنے مقام پر صحیح

استعمالات کی نشاندہی کر کے آنے والوں کے فرسودہ استدلالات کو دفن کر کے رکھ دیا ہے۔ راقم الحروف نے اپریل ۶۰ء میں مکہ سے جو مقالہ بلکہ طویل مقالہ تحریر کیا تھا وہ منفرد بھی تھا اور انقلاب آور بھی اور طلوع اسلام بجا طور پر اپنے لکھنے والوں سے اس طرح کے مواد کا طالب رہا ہے۔ اس مقالہ سے متلاشیان حق کے فکر و نظر میں ایک انقلاب آ گیا۔ خصوصاً تصویری شہ پارے ذہنوں پر بڑے ہی اثر انداز ہوئے۔ بعد کے مصنفین مثلاً مولانا حبیب الرحمان کاندھلوی کا اسے اپنی مذہبی داستانیں کی چوتھی جلد میں شامل کرنا طلوع اسلام کے لئے باعث فخر ہے۔ بلکہ بعد کے ناشرین نے جب علامہ تمنا عمادی کے مجموعے شائع کئے تو طلوع اسلام کے اس مقالہ کو بصد شکریہ شامل کیا۔ اس مقالہ میں مختلف ادوار کی تحریروں کے عکس دے کر مرحلہ بمرحلہ لفظوں اور نقطوں کے صحیح اور مناسب استعمال کی نشاندہی کی گئی اور نقطوں کے یہ مراحل ۵ سو سال قبل اسلام سے ابتدائے اسلام پر پھیلے ہوئے دکھائے گئے ہیں۔ میرا یہ طلوعی مقالہ میری برہان القرآن کے آخری باب میں شامل ہے پڑھئے اور قرآن کے اعجاز کی داد دیجئے۔ اب اپنی خودستائی سے ہٹ کر کہوں گا کہ جس قوم کے اکابر اپنے قرآن کے لئے صحیح سامان نوشت وخواند تک سے ''لاخبر'' ہوں اس سے کیا شکایت کہ اسے نقطے کیوں نظر نہ آئے؟

اب آیئے یہ بات بھی صاف ہو جائے کہ ہمارے من چلوں کو قصہء فیل قرآن میں غلط درج نظر آ رہا ہے۔ دراصل ہمارے ہاں یہ ریت چلی ہوئی ہے کہ اگر کسی لفظ کے کچھ اور معنیٰ بھی ہیں تو ہمارے فہم کا زاویہ بدل جاتا ہے اور ہم اسی معنیٰ کو ترجیح دینے لگتے ہیں جس کی قرآن پر زد پڑ سکتی ہو۔ لیکن سوچنا چاہئے کہ ایسا کیوں ہے؟ کیا جدت خیال اسی کا نام ہے؟ فرض کرو فیل کے معنیٰ بدصورت کے ہیں کسی خاص جانور کے نہیں جیسا کہ متاخرین میں سے تاج العروس نے اشارہ دیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ فیل جو جانور کے مفہوم میں ہے وہ ''پیل'' سے معرب ہے۔ لیکن اس سے یہ کیونکر معلوم ہوا کہ عرب معرب فیل کو جانتے ہی نہیں تھے؟ جبکہ قدیم عرب راغب سے لے کر رازی اور زمخشری تک گواہی دیتے ہیں کہ فیل کا ماخذ کچھ ہی ہو اس سے اس کے حیوانی وجود کی توثیق ہو جاتی ہے بلکہ راغب کا دعویٰ ہے کہ الفیل معروف۔ فیل عرب کا جانا پہچانا جانور ہے (راغب دارالفکر بیروت ص ۴۰۳) امام رازی لکھتے ہیں کہ۔۔ ''اصحاب فیل کا واقعہ جانا پہچانا واقعہ ہے جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس واقعہ کا ذکر کیا تو مکہ میں ابھی وہ لوگ موجود تھے جنہوں نے اس عجیب الخلقت جانور کو دیکھا تھا۔ مشاہدہ کیا تھا اور مشاہدہ کی آنکھ جھوٹ نہیں بولتی اس طرح مکہ والوں نے فیل کے جانور ہونے کی گواہی دیدی (تفسیر رازی جلد ۳۲/ ۹۷/ ۸ تا ۹)

اردو میں قرآن کے بڑے لغت نویس علامہ پرویز علیہ الرحمتہ تاج العروس کی یہ کہہ کر نفی کرتے ہیں کہ۔۔ یہ سارا واقعہ سورہ فیل میں بیان ہوا ہے۔ واقعہ ایسا تھا جسے مخاطبین عرب نے اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا۔ اس لئے وہ جانتے تھے کہ قرآن کریم کیا کہہ رہا ہے؟ (لغات القرآن طبع لاہور جلد ۳/ ۱۳۱۷)۔۔ اب یہاں مشاہدہ اور تاج العروس کی ذاتی رائے میں ٹکر ہے جبکہ زاویہء فکر قرآن کے حق میں ہونا چاہئے کہ مشاہدہ اس کا خواہاں اور ہزاروں کی گواہی اس کی مؤید ہے۔ ہم میں تقسیم برصغیر کے لاکھوں لوگ تمام واقعات حافظہ میں محفوظ کئے ہوئے ہیں۔ چالیس پچاس سال کا واقعہ ذہنوں سے اتنا جلدی محو نہیں ہو سکتا۔ لہٰذا کسی شبہ پر ہاتھی کے وجود کا انکار کرنا غلط جگر کاوی ہے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ایاز حسین انصاری

دینی مدارس اور حکومت

صدر پاکستان نے ماڈل دینی مدارس کے قیام اور الحاق کا ''پاکستان دینی مدارس تعلیمی بورڈ آرڈیننس 2001ء'' جاری کیا ہے۔ اس آرڈیننس کا اطلاق پورے پاکستان پر ہوگا۔ لیکن اس پر عملدرآمد اس تاریخ سے ہوگا جس کا اعلان وفاقی حکومت کرے گی۔

اس آرڈیننس کے تحت وفاقی حکومت گزٹ نوٹیفیکیشن جاری کرے گی اور اس کے ذریعے پاکستان مدارس ایڈوکیشن بورڈ کے قیام کا اعلان کرے گی۔ بورڈ کے کچھ فرائض مندرجہ ذیل ہیں۔

☆ دینی مدارس اور دارالعلوم قائم کرنا۔

☆ ان درس گاہوں میں جدید تعلیم دینے کا اہتمام کرنا۔

☆ دینی مدارس کے لئے نصاب تعلیم مرتب کرنا۔

☆ امتحانی نظام وضع کرنا۔

☆ اور اساتذہ کی تربیت کے لئے تفصیلی لائحہ کار کا متعین کرنا وغیرہ۔

حکومت ایسے دینی مدارس قائم کرنا چاہتی ہے جن میں دینی تعلیم کے ساتھ ساتھ دنیوی تعلیم بھی دی جائے گی تاکہ ان اداروں کے طلباء دوسرے طلباء کے ساتھ شانہ بشانہ ہم آہنگ ہو کر اپنی صلاحیتوں کو اجاگر کر سکیں اور بھرپور نتائج حاصل کریں۔ اس قسم کی حکومتی کوشش میں کوئی قابل اعتراض بات ہی نہیں ہے۔

(مولانا) ابوالکلام آزاد (مرحوم) جو امام الہند کے لقب سے پکارے جاتے تھے وہ اپنی مشہور تصنیف ''تذکرہ'' میں ارشاد فرماتے ہیں:

''مدتوں غور کرنے کے بعد یہ حقیقت کھلی کہ امت اسلامیہ کے تمام مفاسد کی اصلی جڑ وہی چیزیں ہیں جن کو یونانیت اور عجمیت سے تعبیر کرنا چاہئے۔ سارے برگ و بار و ثمرات فساد کا انہیں سے ظہور رونما ہوا۔ آج ہمارے مدارس میں جو علوم، باسم اصل و اساس علوم شریعہ پڑھے جاتے ہیں، اگر کسی صاحب حکمت کی نظر کیمیاوی ان کی تحلیل و تفرید کرے تو کھل جائے کہ کس قدر ان کا شریعت اصلیہ اور دین خالص سے مرکب ہے اور کس قدر اس فتنہ عالم آشوب، یونانیت اور عجمیت سے؟ کوئی شے اس سے نہ بچی۔ حتیٰ کہ علوم الٰہیہ و تلاوت و بیان اور عملاً جزئیات از عمال و رسوم و ہیئاتِ معاشرت وغیر ذالک جب یہ حال علم شرعیہ مکتبہ نام نہاد اصولیہ کا ہے تو پھر ان اساطیر و اوہام کا کیا پوچھنا، جن کو بہ لقب شریف ''معقولات'' پکارا جاتا ہے۔ وان من العلم جھلا۔''

اس کے بعد وہ لکھتے ہیں:

''ان کا سرمایۂ ناز علمِ حق نہیں ہے جو تفرقہ مٹاتا اور اتباع سبلِ متفرقہ کی جگہ ایک ہی صراط مستقیم پر چلتا ہے بلکہ یکسر جدل وخلاف ہے' نفس پرستی کی کثافت کو خمیر کر دیتی ہے اور دنیا طلبی کی آگ اس کی ناپاکی کے بخارات اور تیز کرتی رہتی ہے۔'' (تذکرہ' صفحہ 84-83)

مولانا مودودی (مرحوم) فرماتے ہیں:

''دوسری چیز جو ہمیں اپنے نظام تعلیم میں بطور اصول پیش نظر رکھنی چاہئے اور اسی کی بنیاد پر ہمارا انتظام تعلیم ہمارا سارا نظام تعلیم بننا چاہئے وہ یہ ہے کہ ہم اس دین و دنیا کی تفریق کو ختم کر دیں۔ دین و دنیا کی تفریق کا تخیل ایک عیسائی تخیل ہے' یا بدھ مذہب یا ہندوؤں اور جوگیوں کا ہے۔ اسلام کا تخیل اس کے بالکل برعکس ہے۔ ہمارے لئے اس سے بڑی کوئی غلطی نہیں ہوسکتی کہ ہم اپنے نظام تعلیم میں' اپنے نظام تمدن میں اور اپنے نظامِ مملکت میں اس دین اور دنیا کی تفریق کے تخیل کو قبول کر لیں۔ ہم اس کے بالکل قائل نہیں ہیں کہ ہماری ایک تعلیم دنیوی ہو اور ایک تعلیم دینی۔ اس کے برعکس ہم تو اس بات کے قائل ہیں کہ ہماری پوری کی پوری تعلیم بیک وقت دینی بھی ہو اور دنیوی بھی۔''

(ص 155۔ تعلیمات مجموعہ مضامین ابوالاعلیٰ مودودی' شائع کردہ مرکزی مکتبہ جماعت اسلامی اچھرہ۔ لاہور طبع اول 1955ء)

''مگر کیا یہ واقعہ نہیں ہے کہ موجودہ نظام تعلیم میں ملت اسلام کے نونہالوں کی تعلیم و تربیت کے لئے جو (ان درسگاہوں یعنی دینی مدارس میں) انتظام کیا جاتا ہے وہ دراصل ان کو اس ملت کی پیشوائی کے لئے نہیں بلکہ اس کی غارت گری کے لئے تیار کرتا ہے۔'' (ایضاً ص 62)

''اب جو لوگ اس نظام تعلیم کے تحت پڑھ رہے ہیں اور اس سے تربیت پا کر نکل رہے ہیں ان کا کوئی مصرف اس کے سوا نہیں ہے کہ وہ ہماری مسجدوں کو سنبھال کر بیٹھ جائیں یا کچھ مدرسے کھول لیں اور طرح طرح کے مذہبی جھگڑے چھیڑتے رہیں تاکہ ان جھگڑوں کی وجہ سے قوم کو ان کی ضرورت محسوس ہو..... وہ نہ تو اسلام کی صحیح نمائندگی کر سکتے ہیں' نہ موجودہ زندگی کے مسائل پر اسلام کے اصولوں کو منطبق کر سکتے ہیں' نہ ان کے اندر یہ صلاحیت ہے کہ دینی اصولوں پر قوم کی رہنمائی کر سکیں اور نہ ہمارے اجتماعی میں سے کسی مسئلے کو حل کر سکتے ہیں۔'' (ایضاً ص 139)

بہرحال اب جب کہ یہ صورت حال ہے تو یہ بات بڑی عجیب معلوم ہوتی ہے کہ:

''پاکستان بھر کے پانچوں بورڈز نے ''ماڈل دینی مدارس'' کے قیام اور دینی مدارس بورڈز آرڈیننس کو مسترد کر دیا ہے اور اسے مدارس کے خلاف سازش قرار دیا ہے۔ حکومتی اسکیم میں شرکت نہ کرنے کا فیصلہ کیا ہے اور کہا ہے' کہ دینی مدارس اور جامعات کی آزادی اور خودمختاری کا ہر قیمت پر تحفظ کیا جائے گا۔''

(بحوالہ جنگ کراچی' مورخہ 29/8/2001)

حیدرآباد شہر کے 50 سے زائد دینی مدارس کے مہتمم اور منتظمین نے حکومت کی جانب سے نافذ کردہ حالیہ دینی مدارس آرڈیننس کو مسترد کرتے ہوئے مطالبہ کیا ہے کہ اس کو فوری طور پر

واپس لیا جائے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس آرڈیننس کے خلاف تحریک چلائی جائے گی۔

(بحوالہ ''جنگ'' کراچی مورخہ 04-09-2001)

مذہبی پیشوائیت کی مخالفت غیر متوقع نہیں۔ ان حضرات کی ذہنیت کچھ اس طرح کی ہے کہ وہ ہمیشہ یہی کہتے رہے ہیں۔ ''ہم یہ تسلیم نہیں کرتے''۔

دارالمصنفین (اعظم گڑھ) سے شائع ہونے والا مجلّہ ''معارف'' (جس کے مدیر سید سلیمان ندوی مرحوم تھے) مذہبی دنیا میں بڑے بلند مقام کا حامل سمجھا جاتا ہے۔ اس کی ستمبر 1953ء کی اشاعت میں تحریر تھا۔

''واقعہ یہ ہے کہ ہم مولویوں، جن کا خطاب میر باقر داماد کی ''الافق المبین'' کے الفاظ میں ''لم لا یکونیون'' اور ''لا نسلمیون'' بھی ہے یعنی لم یکون کذا (ایسا کیوں نہیں ہوسکتا) اور لا نسلم (ہم یہ تسلیم نہیں کرتے) یہ دو حربے ہمارے ہاتھوں میں ایسے ہیں کہ جب تک جس مسئلہ کے متعلق جو جی میں آئے ہم کہتے چلے جاسکتے ہیں۔ خدانہ کرے کہ ہم مدرسہ والوں کے درمیان کسی بدقسمت آدمی کی کوئی بات جا پڑے۔ جنگلوں کے درخت اور گھاس، جن سے کاغذ تیار کئے جاتے ہیں، شاید کانپ اٹھتے ہوں۔ جب ان کو خبر ملتی ہو کہ مولویوں نے ''آستینیں'' ''لم لا یکون کذا'' اور ''لا نسلم'' کہنے کے لئے چڑھائی ہیں۔ سمندر بھی تھرا اٹھیں کہ ان کا پانی بھی ہم مولویوں کے لم لا یکونیات اور لا نسلمیات کی سیاہی کے لئے کافی نہیں ہوسکتا۔ (کذا)''

اس وقت ملک میں تعلیم کے دو مراکز ہیں۔ ایک مذہبی مدرسے اور دارالعلوم جن میں طالب علموں کو ''دنیا'' سے بیگانہ رکھا جاتا ہے، اور دوسرے ہمارے اسکول اور کالج، جن میں طلباء دین سے ناآشنا رہتے ہیں۔ یہ ہیں تعلیم کے دو الگ الگ دوائر جن کا نتیجہ ''دین اور دنیا'' میں وہ بعد و تضاد اور عدم اعتماد و انتشار ہے۔ اس بعد اور ثنویت (Dualism) کی ذمہ دار خود ہماری حکومت ہے۔ وہ ایک طرف مذہبی مکاتب اور دارالعلوموں کی اس قدر حوصلہ افزائی اور امداد کرتی ہے کہ ان کا دائرہ اثر و نفوذ دن بدن وسیع سے وسیع تر ہوتا چلا جارہا ہے۔ دوسری طرف، ہمارے اسکول اور کالج ہیں، جن کا نصاب تعلیم ایسا ہے جس سے طالب علم، دین کی غایت و حقیقت سے یکسر بیگانہ رہتے ہیں۔ یہی نہیں بلکہ جو کچھ انہیں اسلام کے نام سے پڑھایا جاتا ہے اس سے، دین سے جاذبیت پیدا ہونے کی بجائے، ان کی نفرت اور بڑھ جاتی ہے۔

طلوع اسلام مسلسل چلّا رہا ہے کہ ملک سے، تعلیم کی اس دوعملی کو ختم کیا جائے۔ مذہبی مکاتب اور دارالعلوموں کو بند کر دیا جائے اور اسکولوں اور کالجوں میں تعلیم کے نصاب میں اس طرح تبدیلی کی جائے کہ طالب علم، علوم دنیاوی کے ساتھ ساتھ دین کی اصل و حقیقت سے بھی آشنا ہوتے چلے جائیں اور اس طرح وہ اپنی ارضی زندگی کو سماوی اقدار کے ساتھ ہم آہنگ کر کے، صحیح اسلامی زندگی کا نمونہ پیش کرسکیں۔ دوسری طرف، قوم کو اس انتشار و خلفشار سے نجات مل جائے جو مذہبی مکاتب اور دارالعلوموں سے وبا کی طرح پھوٹ کر ملک کے امن کو خطرے میں ڈالتے رہتے ہیں۔ طلوع اسلام نے مسلسل و متواتر حکومت کی توجہ اس خطرہ کی طرف مبذول کرائی۔ لیکن حکومت نے اس سے بے اعتنائی برتی جس کا

نتیجہ یہ ہے کہ جس خطرہ کے متعلق صدر محترم کو خدشہ ہے کہ وہ کہیں پیدا نہ ہو جائے' وہ پیدا ہو رہا ہے۔ ہمارا نوجوان تعلیم یافتہ طبقہ مذہب سے بیگانہ ہی نہیں متنفر ہو رہا ہے اور مذہب پرست طبقہ وہ پوزیشن حاصل کئے جا رہا ہے جو ازمنہ مظلمہ میں' یورپ میں' احتساب (Inquisition) کے علمبردار' پادریوں نے حاصل کر لی تھی اور جس کے بعد' عیسائیت کو وہاں کی عملی زندگی سے دیس نکالا مل گیا تھا۔

طلوع اسلام نے مارچ 1967ء کی اشاعت میں' محترم صدر مملکت کی خصوصی توجہ اس حقیقت کی طرف منعطف کرائی تھی کہ ملک کے نظام تعلیم میں جو' دوعملی پائی جاتی ہے۔۔ وہ دوعملی جس کی رو سے مذہبی تعلیم مکتبوں اور دارالعلوموں میں دی جاتی ہے اور ''دنیاوی'' تعلیم اسکولوں اور کالجوں میں۔۔ اس سے قوم کی زندگی میں وہ ثنویت پیدا ہو رہی ہے جسے مٹانے کے لئے اسلام آیا تھا۔ اس سے پاکستان کی سالمیت مخدوش ہو رہی ہے۔ کیونکہ پاکستان کی تو بنیاد ہی اس نظریہ پر تھی کہ اسلام کی رو سے ''دین اور سیاست'' میں کوئی بعد نہیں یہ دونوں ایک ہیں۔ طلوع اسلام نے گزارش کیا تھا کہ حکومت اس ثنویت کو ختم کرنے کے لئے مناسب اقدام کرے۔

صدر صاحب نے جو حالیہ آرڈیننس نافذ کیا ہے یہ مبارک اقدام ہے۔ لیکن اس سلسلہ میں ہماری گزارش یہ ہے کہ یہ ایک عظیم انقلابی اقدام ہے جس کے لئے ملک گیر جدید نظامِ تعلیم وضع کرنے کی ضرورت ہوگی۔ اس کے لئے ضروری ہوگا کہ۔

(i) ملک میں صرف اسکول اور کالج رہیں۔ مذہبی مکاتب اور دارالعلوم بند کر دیئے جائیں۔

(ii) نصاب تعلیم میں الگ اسلامیات کا شعبہ نہیں رہنا چاہئے۔ اس لئے کہ اس الگ شعبہ سے پھر وہی ثنویت پیدا ہو جاتی ہے۔ (یہ ''اسلامیات'' کیا ہے اور اس کے نتائج کیا۔ اس کے متعلق ہم تفصیل سے کبھی پھر لکھیں گے)

(iii) نصاب تعلیم ایسا ہو کہ طلباء کو جو مضمون بھی پڑھایا جائے' اس میں بتایا جائے کہ قرآن کریم اس باب میں کیا تعلیم دیتا ہے اور اس کے ماحصل کو کس طرح اسلام کی پیش کردہ مستقل اقدار انسانیت کے تابع رکھا جا سکتا ہے اس کے ساتھ ہی انہیں روزمرہ کی زندگی میں ان امور سے روشناس کرا دیا جائے جن کی سرانجام دہی کے لئے آج کل ایک الگ مولوی کی ضرورت لاحق ہوتی ہے۔

(iv) اسلامی قانون کے بنیادی اصولوں کی تعلیم لاء کالج میں دی جائے۔

جیسا کہ اوپر کہا جا چکا ہے' نظام تعلیم کی یہ تبدیلی کوئی معمولی تبدیلی نہیں' یہ بہت بڑی تبدیلی ہوگی۔ اس لئے اس کے لئے بڑے عزم' ہمت' محنت اور تدبر کی ضرورت ہوگی۔ لیکن اگر یہاں یہ تبدیلی پیدا ہو گئی تو ہم یقینی طور پر کہہ سکتے ہیں کہ پاکستان کو عالم اسلام ہی میں نہیں' اقوام عالم میں ممتاز ترین مقام حاصل ہو جائے گا۔ اس لئے کہ

(1) جس قوم میں مذہبی پیشوائیت موثر ہوگی وہ قوم کبھی مقام آدمیت تک نہیں پہنچ سکے گی۔ اور

(2) جو قوم خدا کی طرف سے عطا کردہ مستقل اقدار سے بے بہرہ رہے گی۔ اسے انسانیت کی سطح نصیب نہیں ہو سکے گی۔

''دین اور دنیا'' کی تعلیم کے ادغام سے مراد یہ ہے کہ مذہبی پیشوائیت کو ختم کر کے' قوم کے نوجوان طبقہ کو مستقل اقدار خداوندی سے روشناس کرایا جائے۔ اس سے یہ صحیح مقام انسانیت تک پہنچ سکیں گے۔ اس نصب العین کو سامنے رکھ کر اس کی طرف

تدریجاً بڑھتے چلے جانا چاہئے۔ واللہ المستعان۔

یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ نوجوانوں کا طبقہ کسی ملک اور قوم کا طغرہ (Crast) ہوتا ہے جس سے وہ قوم پہچانی جاتی ہے۔ سب سے بڑھ کر یہ کہ قوموں کی تقدیر ہمیشہ ابھرنے والی نسلوں کے ہاتھ میں ہوتی ہے۔ ان نوجوانوں کے قلب و دماغ کی صلاحیتیں، ان کے گرم خون کی حرارتیں، ان کا زور بازو، ان کا جوش کردار ایک کف بداماں سیلاب کی طرح اٹھتا ہے اور ہر ٹکرانے والی قوت کو خس و خاشاک کی طرح بہا کر لے جاتا ہے۔ قوموں کی تخلیق ان کے نوجوانوں کے کوہ شکن ارادوں کی رہین منت ہوتی ہے۔ اس لئے یہی طبقہ تھا جسے طلوع اسلام نے اپنے تصورات کی آماجگاہ، اپنی امیدوں کا مرکز، اپنی تمناؤں کا محور اور قوم کے مستقبل کا مظہر قرار دیا اور اسی کو اپنے پیغامات انقلاب آفریں کا درخور تخاطب سمجھا اور انہی کے لئے عصر حاضر کے مفکر پرویز صاحب اقبال ہی کے الفاظ میں دعا مانگتے رہے کہ۔

جوانوں کو مری آہِ سحر دے
پھر ان شاہیں بچوں کو بال و پر دے
خدایا آرزو میری یہی ہے
مرا نورِ بصیرت عام کر دے

طلوع اسلام پاکستان کے اندر مسلسل مرض کی نشاندہی کرتا چلا آرہا ہے کہ ان بیچاروں کی صحیح تعلیم کا بندوبست کر دیا جائے۔ کیونکہ آپ جس قسم کی قوم بنانا چاہیں اس کے بچوں کو اس قسم کی تعلیم دیتے جائیے۔ تعلیم بدل جانے سے نگاہ کا زاویہ بدل جاتا ہے اور زاویہء نگاہ بدلنے سے اشیاء کی اقدار بدل جاتی ہیں۔ جب اقدار بدل جائیں تو دنیا کچھ کی کچھ ہو جاتی ہے۔ ایسی تعلیم کے لئے طلوع اسلام نے یہ حل پیش کیا کہ پاکستان کے اندر ایسی درسگاہیں قائم کی جائیں جن کی تعلیم کا محور خدا کی کتاب یعنی قرآن حکیم ہو اور یہ درسگاہیں ایسے طالب علم تیار کریں کہ:

1- پاکستان میں وقتاً فوقتاً جو مسائل سامنے آئیں وہ بتا سکیں کہ اس باب میں قرآن کیا رہنمائی دیتا ہے۔

2- اسلامی مملکت کا آئین کیسا ہونا چاہئے اور قوانین کس قسم کے۔

3- افراد کی زندگی اسلامی قالب میں کس طرح ڈھل سکتی ہے اور معاشرہ قرآنی خطوط پر کس طرح متشکل ہو سکتا ہے۔

4- وہ کونسی ایسی عملی کسوٹی ہے جس سے ہر وقت معلوم کیا جا سکے کہ قوم صحیح راستے پر چل رہی ہے یا اس کا کوئی قدم غلط سمت کی طرف اٹھ گیا ہے۔

5- دنیا کی مختلف قومیں اس وقت جن معاشرتی، سیاسی، قومی، بین الاقوامی مسائل سے دوچار ہیں اور جن کا کوئی اطمینان بخش حل نہیں ملتا جس کی وجہ سے امن عالم سخت خطرے میں پڑ رہا ہے قرآن حکیم ان مسائل کا حل کیا تجویز کرتا ہے۔

6- اس درس گاہ کے فارغ التحصیل طالب علم ایسی قابلیت کے مالک ہوں کہ وہ دنیا کے بڑے بڑے اجتماعات میں قرآنی نکتہء نگاہ نہایت وضاحت سے پیش کر سکیں اور اپنے ملک میں بھی دوسروں کی رہنمائی کر سکیں۔

7- ذہنی قابلیت کے علاوہ ان کا کیریکٹر بھی اتنا بلند ہونا چاہئے کہ وہ دوسرے نوجوانوں کے لئے قابل تقلید مثال پیش کر سکیں اور اس طرح اس حقیقت کی زندہ شہادت بن سکیں کہ جب انسانی قلب و دماغ قرآن کے قالب کے اندر ڈھل جائیں اور وہ سیرت

نبی اکرمؐ کو اپنے سامنے بطور اسوۂ حسنہ رکھ لیں تو اس سے کس طرح ایسے انسان پیدا ہوتے ہیں جن پر انسانیت فخر کر سکے۔

طلوع اسلام نے جو فکر پیش کی ہے اس کے متعلق پاکستان کے ممتاز قانون دان اور سابق وحدت مغربی پاکستان کے چیف جسٹس جناب اے۔ آر۔ کیانی (مرحوم) نے 1961ء کے زرعی یونیورسٹی فیصل آباد کے جلسۂ تقسیم اسناد کے موقع پر فرمایا۔

"تعلیمی درس گاہوں کے پیش نظر یہی نہیں ہونا چاہئے کہ طالب علم ایک معینہ مدت کے بعد صرف اسناد ہی لے کر فارغ ہوں بلکہ وہ اسناد کے ساتھ ان درس گاہوں سے انسان بن کر بھی نکلیں۔ اگر آپ چاہتے ہیں کہ طلباء ان درسگاہوں سے انسان بن کر نکلیں، تو ان درسگاہوں کے اندر آپ کو لامحالہ اس فکر کو اپنانا ہوگا جو "طلوع اسلام" نے پیش کی ہے۔"

طلوع اسلام کہتا ہے کہ ملت کی کشتِ ویراں کا نم اس آب نشاط انگیز سے حاصل ہوتا ہے جسے قرآن کہتے ہیں۔ قرآن کے مقرر کردہ حدود و قیود ہی وہ پختہ ساحل ہیں جو حیاتِ انسانی کی جوئے رواں کا رَخ متعین کرتے ہیں۔ لیکن انسانی دنیا کے اندر یہ انقلاب صحیح تعلیم کی رو سے لایا جا سکتا ہے۔ اس لئے کرنے کا کام یہ ہے کہ ان بچوں کی صحیح تعلیم کا بندوبست کر دیا جائے۔ ان کی گزرگاہوں کو وہ ساحل مہیا کر دیئے جائیں جن کی بنیاد ان قوانین پر ہو جو قرآن حکیم کی دفتین میں موجود ہے۔ جنہیں کہیں باہر سے Import کرنے کی ضرورت نہیں۔ یہی وہ واحد طریقہ ہے جس سے ملک و قوم کی یہ عظیم متاع محفوظ ہو سکتی ہے۔ اگر ایسا ہو گیا تو مجوزہ تعلیمی درسگاہیں ایسی درس گاہیں بن جائیں گی جو ان درس گاہوں سے مختلف ہوں گی۔ جن کے متعلق اکبر نے کہا تھا۔

افسوس کہ فرعون کو کالج کی نہ سوجھی

ہم صدر محترم کی خدمت میں بصد ادب گزارش کریں گے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو جہاں فکر بلند اور قلب حساس کی نعمتوں سے نوازا ہے۔ وہاں آپ کو مملکت کے وسیع ترین اختیارات بھی حاصل ہیں۔ آپ اگر ان تینوں چیزوں کو یکجا کر کے، تھوڑی سی ہمت کر لیں تو آپ یقیناً اسلام کو اس تاسف انگیز انجام سے بچا سکتے ہیں۔ جو انجام عیسائیت کا ہوا ہے۔ اس سے آپ کا نام اس دنیا میں بھی تاریخ کے اوراق پر سورج کی کرنوں سے لکھا جائے گا اور آخرت میں بھی اسلام، آگے بڑھ کر، آپ پر تہنیت و تبریک کے پھول نچھاور کرے گا۔

فرمان قائدؒ

ہم نے پاکستان کا مطالبہ ایک زمین کا ٹکڑا حاصل کرنے کے لئے نہیں کیا تھا بلکہ ہم ایک ایسی تجربہ گاہ حاصل کرنا چاہتے تھے جہاں ہم اسلام کے اصولوں کو آزما سکیں۔

(اسلامیہ کالج پشاور، ۱۳ جنوری ۱۹۴۸ء)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

عطاء الحق قاسمی

اسلام نافذ کرنے کا صحیح طریقہ!

اگر مجھ سے کوئی پوچھے کہ موجودہ حکومت میں سب سے جی دار وزیر کون سا ہے تو میں جنرل (ر) معین الدین حیدر کا نام لوں گا۔ جنرل صاحب کی جو بات مجھے پسند ہے وہ اپنے نظریات کا کھل کر اظہار، حکومتی پالیسیوں کا غیر معذرت خواہانہ دفاع اور ذاتی سطح پر تنقید کا خندہ پیشانی سے مقابلہ کرنا ہے۔ عام طور پر جابر سلطان کے سامنے کلمہء حق کہنا نہایت بہادری کے زمرے میں آتا ہے، یقیناً یہ بہادری کا کام ہے اور اس میں جان کا زیاں بھی ہو سکتا ہے لیکن مقبول نظریات اور ان خیالات کے منافی کوئی بات کہنا بھی، جسے عوام کی اکثریت ایمان کا درجہ دے بیٹھی ہو "جابر سلطان" کے سامنے "کلمہء حق" کہنے کے برابر ہے۔ چنانچہ اس طرح کی صورتِ حال میں "سمجھدار لوگ" گول مول بات کرتے ہیں، جس سے

شیخ بھی خوش رہے، شیطان بھی بیزار نہ ہو

مگر جنرل معین الدین اپنے دل کی بات روکتے روکتے بھی اپنا مافی الضمیر بیان کر جاتے ہیں، انہیں فی الحال منافقت پر قدرت حاصل نہیں ہے۔ ابھی مزید کچھ برس تربیت کی ضرورت ہے۔

حال ہی میں جنرل صاحب کے کچھ بیانات سامنے آئے ہیں جن کے بین السطور میں بہت کچھ موجود ہے، مثلاً ان کا یہ کہنا کہ کسی جماعت کے پاس دینی نظام کا خاکہ ہے تو وہ پیش کرے، ایک ایسا چیلنج ہے جس پہ اگر علمائے کرام اور دینی جماعتوں کے سربراہان چاہیں تو ایک لمبی بحث کا آغاز کر سکتے ہیں، مگر مجھے حیرت ہے کہ دو تین دن گزرنے کے باوجود ابھی تک کسی جماعت نے جنرل صاحب کے اس چیلنج کو قبول نہیں کیا حالانکہ وہ اگر اور کچھ نہیں تو اس کے جواب میں قرارداد مقاصد کا حوالہ تو دے ہی سکتے ہیں، حالانکہ یہ حوالہ محض "مناظراتی جواب" کے زمرے میں آئے گا، "مناظراتی جواب" وہ ہوتا ہے جو وقتی طور پر مخاطب کو خاموش کرا دیتا ہے مگر بعد میں بہت سے سوالوں کو جنم دیتا ہے!

اگر سچی بات پوچھیں تو مختلف فرقوں کے علماء نے اپنی سیاسی جماعتیں تشکیل دے کر اسلام کی کوئی خدمت نہیں کی اور اگر یہ لوگ سیاسی جماعتیں بنا ہی بیٹھے تھے تو پھر ان کی سیاست خالص دین کے اصولوں کے مطابق ہونا چاہئے تھی تاکہ عامۃ المسلمین ان کی رائے کا احترام کرتے لیکن ان دینی جماعتوں نے بھی جھوٹ، بہتان اور سودے بازی وغیرہ ہی کو اپنا "رہنما اصول" بنایا، لوگ ایک غیر دینی جماعت کے اس بے اصولے پن سے تو درگزر کر سکتے ہیں، لیکن وہ کسی دینی جماعت کی اس طرح کی سیاست ذہنی طور پر قبول نہیں کرتے۔ نہ صرف یہ کہ قبول نہیں کرتے بلکہ ان دینی جماعتوں

کے مجموعی عمل سے علماء کی ساکھ کو بھی سخت نقصان پہنچا ہے جو کوئی اچھی بات نہیں ہے۔ برصغیر کے علماء کا ماضی نہایت شاندار ہے اور اس شاندار ماضی کی جھلک آج بھی کچھ علماء کے کردار میں نظر آتی ہے!

جنرل صاحب کا تو سوال صرف یہ ہے کہ دینی جماعتیں اسلام کا خاکہ پیش کریں' اگر ان کے پاس ہے' مگر میرا سوال اس سے قدرے مختلف ہے' میرا سوال یہ ہے کہ اس وقت دس بارہ دینی جماعتیں اسلام کے نام پر سیاست کر رہی ہیں۔ یہ سب کی سب پاکستان میں اسلام نافذ کرنا چاہتی ہیں' اگر تو ان سب کا اسلام ایک دوسرے سے مختلف ہے تو ان کے الگ الگ وجود کا جواز موجود ہے۔ مگر اس صورت میں جنرل صاحب کا چیلنج قبول کرنا ان کے لئے مشکل ہو جائے گا اور اگر یہ سب ایک ہی اسلام نافذ کرنا چاہتے ہیں تو پھر الگ الگ دینی جماعتوں کی کیا ضرورت ہے؟ اور دوسرا سوال یہ ہے کہ اگر ان جماعتوں کا مقصد واقعی ملک میں اسلامی نظام نافذ کرنا ہے' اسلام کے نام پر اقتدار کا حصول نہیں' تو فرض کریں' ان میں سے ایک جماعت برسر اقتدار آ جاتی ہے اور سچ مچ اسلامی نظام نافذ کر دیتی ہے تو اس صورت میں باقی دینی جماعتیں اپنا وجود ختم کر دیں گی یا ''اسلامی نظام کے نفاذ کے لئے'' اپنی جدوجہد جاری رکھیں گی؟ یہ اور اس طرح کے بہت سے سوالات ذہنوں میں اس لئے جنم لیتے ہیں کہ دینی جماعتیں اپنا اعتبار کھو بیٹھی ہیں' ان کے بارے میں یہ ''بدگمانی'' عام ہوتی جا رہی ہے کہ بچارے اسلام کا نام محض استعمال ہو رہا ہے' ورنہ مقصد حصولِ اقتدار کے سوا کچھ نہیں' وزیر داخلہ کا سوال بھی غالباً اسی ''بدگمانی'' کا نتیجہ ہے۔ سو مذہبی جماعتوں کو میرا مشورہ ہے کہ وہ کسی بحث میں الجھنے کی بجائے خواص و عام میں' اپنے عمل سے' اپنی ساکھ بحال کریں..... معترضین کا منہ بند کرنے..... بلکہ پاکستان میں اسلام کے نفاذ کو ممکن بنانے کا یہی واحد طریقہ ہے۔ (بشکریہ جنگ' پیر/10 ستمبر 2001ء)۔

پیپلز کلیرنگ ایجنسی

کسٹم ہاؤس سے منظور شدہ

کلیرنگ اینڈ فارورڈنگ ایجنٹ

۲۵ سالہ تجربہ کار

کلیرنگ اور فارورڈنگ کے معاملات میں ایک قدم آگے

ہمارے ۲۵ سالہ تجربہ سے دوسروں کے مقابلے میں زیادہ فائدہ۔

ہم آپکی خدمت کیلئے ہمہ وقت تیار ہیں۔

۵۔ وقار سینٹر، فرسٹ فلور رام بھارتی اسٹریٹ، جوڑیا بازار۔ کراچی

فون: ۲۴۲۶۱۲۸ ۲۴۳۱۰۴۵-۲۴۲۷۵۳۷

فیکس نمبر:-

ٹیلیکس: ۲۱۰۴۳ BTC PK

VOICE OF YOUTH

FEARLESS NATIONS

By
M.Ashraf

****

The nations that have no fear are the most dangerous nations in the world. The price of their being fearless is just unimaginable. Yes, being fearless itself is the biggest fear. The nations free from this fear are facing the unimaginable like what happened in U.S.A. What kind of fear is it?

It is no doubt the fear of Allah that is not prevalent in today's world of nations. Fear of Allah means to obey the laws that Allah gives in Quran. In Quran, it is described:

> "Allah has promised to those of you who believe and do good that He will surely make them rulers in the earth as He made those before them rulers, and that He will surely establish for them their religion, which He has chosen for them, and that He will surely give them security in exchange after their fear. They will serve Me, not associating aught with Me. And whoever is ungrateful after this, they are the transgressors."

The Great Author of Quran asks man to establish His rule, so that he (man) can enjoy every kind of security that has no parallel in today's world. No nation of the world has established the government in which Allah's laws are fully obeyed. Therefore, every nation lacks the security that Allah has promised to them. No nation seems to be fearing from the laws of Allah (Natural laws) while drawing its policies.

Putting aside the laws of Allah is to allow these laws to produce results that are contrary to human expectations. This is what the whole world witnessed in U.S.A. Unambiguously; it is otherwise from human expectations. Some $30 billion are reported to being spent on intelligence per annum. Then there is a variety of latest sophisticated technology and much more. Even then, the country could not buy security.

No doubt, the nations that want security must be sensing the fear as to how to get out of fear. Surely! This is the fear of Allah's laws.

****

simpler example of what will. The length of a human lifespan is also written in our genes, and Scientists have recently discovered the so- called "time gene". Each species has its own time gene, one has only to look around at different creatures to realise that this aspect is species specific. It does not mean that the exact time of death of an individual person is known in advance, what it means is, as a species it is set, and individual variation does occur. For this to be, there must be something controlling this aspect of a creatures life.

As I mentioned earlier genes can be altered and the alteration can be good or bad. If the alteration is bad and causes harm to the individual then it is of no concern to the gene, however the individual will cease to exist or would be put at a disadvantage. If the change benefits the Individual and confers some degree of advantage no matter how small, then this will be passed on to the next generation. These minute changes that have occurred over millions of years are responsible for all the life forms we now see on the planet.

Man is now at the forefront of being able to re-write his own code of life, he is in a position to re-write something that forged and fashioned him to become what he is today, i.e. a creature that is capable of contemplating his own existence. Man has always been in a position to alter his own *Taqdir* but the future will see many more profound alterations, it is up to us to use the knowledge wisely.

****

DARS-E-QURAN (IN URDU)

BAZM TOLU-E-ISLAM MANCHESTER (U.K)

EVERY **FRIDAY** FROM **8PM – 9PM**

AT

33 ST. GEORGES ROAD, FALLOWFIELD
MANCHESTER, M14 6SX

DARS-E-QURAN AUDIO AND VIDEO TAPES (URDU) AND
ALL THE PUBLICATIONS BY ALLAMA PARWEZ
ARE AVAILABLE IN OUR LIBRARY FOR LENDING.

PLEASE CONTACT:- MR. MEHFOOZ (0161 286 5496)
OR MR. R.QURESHI:- TEL & FAX NO. (01565 830278)

given life form has a latent (or hidden) potentiality to become the thing, which it was intended to become. For instance the seed of a rose flower if kept in isolation and also not acted upon by factors that alter the genetic code will always become a rose flower, it cannot decide to become a daffodil! However it has been known for a long time that we may produce a flower that has the characteristics of two different flowers and hence a new species of flower is produced i.e. a new genetic code emerges.

This Potentiality of a thing to become what it was programmed to become is one aspect of the word *Taqdir*. Inherent in this word is a profound scientific knowledge that we humans are being to explore. This Potentiality can be summed up in the Quranic verse

"Allah only has to say to a thing to BE and it BECOMES." One must realise that such an event follows well defined scientific laws and even if such a thing takes millions of years on our timescale for Allah time has no meaning, Allah is outside of the limits of time and space. Allah was present before the creation of the universe and Allah will be present even after it may end.

Scientists have come to realise that even the LAWS which govern our Universe must have been laid down at the very moment our universe came into existence, had this not been the case, scientists say, then our universe would have looked completely different to what it does today.

Thee Quran tell us (surah 51:47)

And the heaven we constructed with strength and indeed, we are expanding it.

A famous Physicist once said - at the first instance of the creation and expansion of the universe " waves of Potentiality rippled through space". These "waves" were the seeds for the formation of everything in the universe - truly *Taqdir* on a GRAND SCALE!

It has been discovered that many diseases, including Diabetes, Heart disease, Cancer, and Parkinson's disease etc have a genetic link. The reason why these diseases occur is because of a faulty gene. It is extremely plausible to accept from a logical point of view that this (these) faulty genes must have been present at the time of conception. Hence this particular aspect of man's life as to whether he will develop any, or all, of these diseases is "written" in every cell of his body even before he is born.

Well before the development of the eye of a foetus the gene "knows" in advance what colour eyes this child is going to have, if this example alone does not show that something is written in advance of it occurring then I don't know of any

Taqdir And The Code of Life

By

Khalid Ahmed

Birmingham, England.

I will attempt to present to the reader one aspect of the meaning of the word *Taqdir*. This word has been regarded to mean "fate" or "one's destiny" and as The Quran has clearly stated the destiny of man lies within himself, so logically the above definition cannot be acceptable.

Man has been given free will, he can choose to do right or wrong, but the consequences of doing wrong must be borne in mind. In this instance the law of requital comes into play, the consequences of doing wrong can have far reaching repercussions.

The path of man that I am attempting to elaborate on is one that has been overlooked by many scholars, it is a path that up until very recently has not been in our control, yet this path has shaped our very existence and will continue to shape our future pathway. This path has been "written" well before our creation and is present in every living thing, from a blade of grass to a mighty Elephant. The path is that produced by the Genetic Code.

The genetic code is composed of proteins put together in a very precise order, it is a self-replicating entity that never dies, it merely uses the host that it resides in to pass itself on to the next generation. The code can be said to be a recipe for the production of any living thing. It is a code that is capable of change, either as a result of a mutation or as a result of adding extra genes; it is this last ability that gives rise to higher and higher life forms. In fact our gene sequence is made up of all of the previous life forms that we have evolved from. Everyone's genetic code is different. In fact the Quran tells us to look at our fingertips, (Quran 75:4). In analysing this, and looking closely at the tips of your fingers you will notice fingerprints, and you may be surprised to learn that even identical twins, which by definition are alike in every possible way, from the colour of their eyes to the size and shape of their nose, however, their fingerprints are not identical!

The way genes are put together is one of extreme order and complexity, the DNA strand when being formed shows a marked degree of genetic planning which I may add is under the direct control of certain genes. The sequence of genes in any

"We know those who came before and those who will come after you. Your god will gather them together. He is wise, He is knowledge."

It is absolutely clear, that God will bring together all those people who have gone by and those that belong to future. Another *ayaat* having a similar meaning is narrated:

قل ان الاولین و الاخرین ٥ لمجموعون الی میقات یوم معلوم ٥ (56:48-51)

"Say! Those that came before and those who came after, on the appointed day, shall be together."

Now let us read the commentary of the above *ayaat* of chapter *Hijr*:

It has it in *Trimidhi*, that Ibne Abbas[R] narrates, "In the Mosque, there came a fair belle every day to pray after the Messenger. Among the disciples, some of them moved behind her, so as not to be distracted. While others moved ahead, and when bent forward in prayers, took a peek at her through their armpits. Because of this, Allah[SWT] brought down this revelation, that he was aware of those ahead and those who were behind."

We do not think, any kind of comments are necessary on this. Traditions of this sort, speak out for themselves, that these are nothing but fabricated lies. These traditions have been concocted by conspirators of Islam and attributed to Muhammad[PBUH]. Unfortunately, our clergymen are obstinate, as not only we have to believe in these myths, we also must believe, these were revelations brought by archangel Gabriel upon Muhammad[PBUH].

These clergymen are in the strong notion that:

کان جبریل ینزل بالقرآن والسنه و یعلمه .....

"Gabriel came with Quran and Sunnah both. And taught Messenger the Sunnah just like the Quran." (Quoted from Jamaat-e-Islami ka Nazariya-e-Hadith. Page 60 from Sheikh-ul-Hadith, Maulana Muhammad Ismail.)

Meaning these traditions were God sent to Messenger through archangel Gabriel.

****

This is being written about those (God forgive us) disciples, who fought wars and gave every once of their blood for the sake of Allah. It cannot even be imagined, the above story can ever be the words of the Messenger!

7. It has it in the chapter of Joseph in Quran, when the reigning king heard the interpretation of his dream by Joseph[PBUH], he was very enthralled by his knowledge. And so he sent for Joseph[PBUH].

JOSEPH'S CHARACTER:

First of all, who does not want to get out of jail cells? All the more reason, when the captive individual happens to be innocent and the king desires to reward him/her. Under normal circumstances anybody would fall for such a call. But the characters of prophets and Messengers are above and beyond all these small temptations. Joseph's reply to the king's courier was, that he had no desire to come out of the cell in this manner. Joseph told the courier to go back to the king and ask, if the case in which he was involved, has been investigated into and finalized. If the king, only after re-investigation, concludes that he was innocent, only in that case will he be eager to come out of jail:

قال ارجع الی ربک فسئله ما بال النسوة التی ..... (12:50)

This was the demonstration of the high and mighty character of prophets. But what we read in the explanation of Bokhari is:

Looking at the time period of Joseph[PBUH] in jail, the Messenger said, "If I was in his place, I would have opted to come out of the cell!"

It is brazenly obvious that this tradition is a blatant outcry of some Jew, who only wanted to elevate the character of their prophet (Joseph[PBUH]) above and beyond that of (God forgive us) Muhammad[PBUH]. And this tradition is also attributed to the Messenger.

Numerous amount of these kind of *ahadith* can be provided from *Saha Sitta* (the six most honored *ahadith* collections). But we shall suffice with only the above mentioned few examples, so that you all may surmise as to what is written in our *ahadith* books. At the same time our archaic believers are adamant, that we must believe these books as the most authentic and true words of the Messenger.

We will conclude this discussion with a tradition from the famous Trimidhi. After examing this heart rending tradition, just think, if we can lift our eyes up with dignity and honour. It has it in the chapter of *Hijr*:

ولقد علمنا المستقدمین منکم ولقد ..... (15:24-25)

mine, But I looked younger than him. When the woman looked at our shawls, she was inclined towards him, and when she looked at our bodies, she came towards me. Finally she decided that me and my shawl would be good enough for her. And so I stayed with her for three days."

Again, you must decide, if these stories can ever come from the honorable lips of Messenger Muhammad[PBUH].

6. In chapter Mua'aida of Quran, it is written, on the day of judgement, Allah[SWT] shall ask Messenger Jesus[PBUH], if he said to his people to worship him and his mother? Jesus[PBUH] will reply, "Heaven forbid! How can I dare say such a thing. I only advised and urged the people to believe in one God.

و کنت علیهم شهیدا ما دمت فیهم........ (5:117)

"As long as I was among them, I supervised their activities (so they may not take wrong paths). But when I left them, then the responsibility fell upon you. Whatever they did in my absence, I cannot be held responsible for it."

Every word of it is so obvious and clear, but the tradition being brought forward from Bokhari's collection cannot be overlooked also:

Ibne Abbas[R] has it that the Messenger delivered a sermon, "O people! You all will be risen towards Allah naked feet, naked body and without circumcision." Messenger then recited the following *ayaat*:

کما بدانا اول خلق .... (21:104)

"We shall bring you up in the same condition, on doomsday, in which you were born. This is our promise, and it is up to us to complete this task."

Messenger then said, "Abraham will be the first one to be covered with clothes. Be warned few people from my *Ummat* shall be brought forth and escorted by angels towards hell. At that moment I shall say to Allah that they are my companions. And a voice will boom (from Allah), telling that I do not know, what they did after I left them. At that moment I shall also repeat the words of Jesus[PBUH].

کنت علیهم شهیدا۔

The voice from Allah will boom again, saying that these people became infidels, soon after you separated from them."

DO NOT FORBID WHAT HAS BEEN MADE HALAL:

It is narrated in chapter Mu'aida of Quran:

(5:87) يايها الذين امنوا لا تحرموا طيبت ما احل الله لكم .....

"O ye believers! Those things that have been made halal by Allah; do not waste them."

It clearly means, not to restrict your self of self-imposed limitations imitations. Only those boundaries must remain, that has been demarcated by God only. Let us read, what is written in *Kitab ul Tafseer* of Bokhari on this. It says:

> "Abdullah Bin Masood states that they accompanied the Messenger in *Jihad* (Holy war) and we did not have women with us. As we could not tolerate this separation from women because of gusto and heat. They asked the Messenger's permission if they could castrate themselves. The Messenger at first forbade them, then later on he permitted them to enter into temporary matrimony with the consent of a woman. So they could be saved from castration and also because no one will be able to cast an evil glance. After granting permission, the Messenger read the above mentioned *ayaat* of Quran."

MUTA:

By this above tradition we observe, the convention of Muta because permissible. In *Kitab ul Nikha* of Bokhari we read:

> "Salma Bin Akku says, they were on a Holy war path accompanying the Messenger (on the war of Hunain). Messenger, one day, came to them and said that *Muta* was permitted. They could do *Muta*." (Translation, Vol.III, page 61)

Another tradition has it:

> "Salma Bin Akku quotes the Messenger saying, "Whichever man and woman feels comfortable with each other can indulge in liberties for three nights. They are free to increase or decrease their time limit." (ibid)

DETAILS OF MUTA:

Let us read more on this, as narrated in Sahih Muslim:

A tradition comes from *Subra Jehny?,* when his holiness gave permission to do *Muta*. "Me and another person went to a woman in *Bani Amir* together. When we disclosed our desire, she wanted to know her compensation. We both said that we would give our shawls. My partner's shawl was better than

that he had just finished his bath, after getting over with it. In the same book Ibnul Qasim has copied that Imam Malik was unable to find any human, whom he could claim as his mentor, concerning this tradition. After that he quotes this *ayaat* read by Imam Malik[R]:

نساء کم حرث لکم فاتوا حرثکم انی شئتم

Malik[R] said, "What more can be said on this, as it is already very obvious." He did not doubt in the least. As far as Imam Sha'afi's religion was concerned, we heard Imam Tahawi[R] saying, that he got it from Muhammad Ibnul Hukaam, who heard it from Imam Sha'afi saying that there is no *hadith* from Messenger that goes for or against this notion. It is therefore speculated, that it is allowed (Ainee).

In other words, Imam Malik[R] was convinced of its being true and he himself practiced it also and Imam Sha'afi was speculating in favour of it. Haifz Ibn Hajr has also copied a polemical dialogue of Imam Sha'afi on this topic, with Imam Azam's student named Imam Muhammad[R].

He writes:

Imam Hakim has written about Imam Sha'afi[R], in the manner of Ibn Hakum, of his famous polemical dialogues with Imam Muhammad Ibnul Hassan[R] on this topic. Ibnul Hassan[R] reasoned against Imam Sah'afi, saying that the word-cultivating field can only mean the vagina. Imam Sha'afi said that this means, besides vagina, all other places are forbidden. Ibnul Hassan accepted this rationale, that besides vagina all other places are not allowed. Imam Sha'afi further questioned, what if someone had sex between the ankles of his wife or between her elbows, would that be considered a fertile field? Imam Muhammad[R] said, those areas cannot be fertile field—Imam Sha'afi then asks the Imam, if he considered that type of sex as *'haraam'?* Imam Muhammad[R] said, "No." Imam Sha'afi then asked his opponent, as to how can he rationalize about something, of which he himself is not convinced? Imam Hakum states that perhaps Imam Sha'afi may have believed in this tradition in his early years, as we notice, that he gave clarifications against it in his later years. (Fatih ul Bari).

You all have read the concerning *ayaat* of Quran. You have also gone through the (inhuman and degrading) explanations of this *ayaat* as they exist unfortunately in Bokhari's collection. You have even glanced on the commentaries by different religious scholars, about this *hadith*. Now we leave it to you to decide if these could be considered the words coming from an honorable Messenger of Allah[SWT]? And if Quran could be, by any ways, understood from these kinds of *ahadith?*

After all this Allama Ainee further writes:

In the original book of Bokhari, there is a blank space. Then he goes on to indicate that it means the private part of your wife, but this is not correct.

This tradition is explained by Ibn Jareer, who is told by Abu Qulaba?, who has copied from Abdul Samad Bin Abdul Warris, who was told by his father, who uses the word ياتيها فى الدبر (To copulate with your wife in Anus) in his explanation. (Umdah Tul Qari).

COPULATION IN ANUS:

This was the elucidation given by Allama Ainee. Now let us read what Hafiz Ibn Hajr Asqalani, has to say about this tradition:

"Ibnul Arabi has copied in Siraj ul Mureed, that Bokhari has copied this *hadith* in Tafseer and said after these words. A blank space has been left. This problem is very famous. Muhammad Bin Shaban has authored a complete book on this topic. And Muhammad Bin Shahnoon? Has proved it in his article, the *hadith* of Ibn Omar[R] is about copulating with woman in the Anus.

Mazri says, that priests are divided on this issue. Those who believe this tradition as being *Halal.* Have taken the above-mentioned *ayaat* for their support. Those who are against it say the concerned *ayaat* was revealed to defeat the statement of Jews. As has been quoted by Jabar."

FAITH UL BARI:

As can be noticed, Hafiz Ibn Hajr proves the contradiction about sex with woman from the anul side. Some narrators believe in this tradition while others do not.

Now let us read what Allama Ainee further says on this topic. He writes:

NOTION OF IMAM MALIK:

"Ibnul Arabi has written in his book entitled, *'Ahkaam ul Quran'* that majority agrees with this tradition. All statements on this subject have been collected by Ibn e Shaban in his book called, *'Jamma ul Niswan'*, in which he has attributed its justifications towards majority of disciples of the Messenger and *Tabaeen.* He has found justifications from many traditions that are attributed to Imam Malik[R]. But Malik's followers deny this tradition, because of its evil and perverted habit. Imam Malik is also adamant that this tradition cannot be proved wrong, just because people do not believe in it.

Muhammad Bin Sa'ad who got it from Abu Sulaiman, who copied from *Zajafi?*, that he was present in the company of Imam Malik Bin Uns[R]. When he was questioned about sex with woman by Anus, he thumped his hand on his head, saying

proper seasons, so you must also conjoin with your wives at proper time periods. The explanation of this *ayaat* in Imam Bokhari's *Kitab ul Tafseer*, is as follows:

Explanation:

Nafay Mulla Ibne Omar[R] narrates that while reading Quran, Abdullah Ibne Omar[R] never spoke with anybody. One day I approached him when he was reading Quran. When he reached the words نساؤکم in chapter *Baq'ra* in Quran, he asked me if I knew as to when this *ayaat* was revealed. I replied in the negative. He then explained the glory of its revelation and resumed his recitation of Quran again. Abdul Samad has said that we receive a tradition from Ibne Omar[R] that says this *ayaat* was revealed, because some men were copulating with women. Jabar[R] narrates the Jews, who said; whosoever copulates with his wife from backside shall have cross-eyed progeny. It is in those days this *ayaat* was revealed, proving the Jews of being wrong. Meaning, women can be engaged in any way one wants, in matters of copulation."

This was taken from the collection of Imam Bokhari. Let us read, what Allama Badr ud Din Ainee and Hafiz Ibne Hijr Asqalani have to say on this topic.

Explanation of This Hadith:

Allama Ainee has first copied the hadith from Bokhari in the following manner:

باب قوله تعالیٰ نسائکم حرث لکم.....

[1]

God's order on the subject نساء کم حرث لکم..... was explained to us by Isaae, who was told by Nadr Bin Shameel, who in turn was told by Aun to tell Nafay that, 'until Omar[R] did not finish reading Quran he never spoke with anybody. One day I sat with him with a Quran, when he was reading chapter *Baq'ra*. He then asked me, if I knew at what period in time, this *ayaat* was revealed? When I replied in the negative, he then explained its context to me. The narrator then moves on and quotes Abdul Samad, that he was told by his father, who was told by Ayub (Sukhtiani), who was told by Nafay, who was told by Ibn Omar[R] that the explanation of فاتوا حرثکم انی شئتم is that you can copulate in.... with your wife. This has also been explained by Muhammad Bin Yahya Ibn Saeed, from his father, who got it from Obaidullah, who got it from Nafay, who got it from Ibn Omar[R].

---

[1][This *ayaat* is usually translated that your women are your fields. You can go to them however way you please. Whereas the correct translation is that your women are your fields, you can go to them whenever you place] (Bokhari, Kitab ul Tafseer, page 649, Mujtabaee).

this day, as their leader. They all will approach prophet Adam and say, he is their father. All angels were ordered to prostrate before him, he was taught the knowledge of all names. They all will then beseech him to ask God for his mercy, so they can be saved from the torture of hell. He shall show his helplessness and bemoan his first sin (when he ate the forbidden fruit); he will shy away from Allah and direct these people to Messenger Noah[PBUH]. As he was the first Messenger who came from Allah, on this earth, all men will then approach him. The Messenger will show his helplessness and remembering his first sin, shall guide these people to Messenger Abraham[PBUH]. They all will then approach Abraham[PBUH], he shall say the same and guide these people to Messenger Moses[PBUH]. As Allah had personally talked with Moses[PBUH] and had given him his commandments. Moses[PBUH] will also be helpless on this day and will shy away after recalling his sin. He will then direct these people to Jesus[PBUH], as he is the word, the spirit and the Messenger of Allah. But he will also say the same and direct these people towards Muhammad[PBUH], whose every sin has been forgiven. I shall then take all of them to Allah[SWT] to beseech his forgiveness and mercy. I shall request permission from Allah[SWT] to enter in his presence, which I shall be granted. Upon seeing Allah[SWT] I will go into prostration and say whatever Allah[SWT] puts into my head. At that time, a command (from Allah[SWT]) will come—O Muhammad! Lift your head and plead your case, so that your wish be granted.' I will then lift my head and obey his command and beseech his mercy. At that moment one group will be pardoned (migrants, martyrs, pious and saintly personalities). I shall again approach Allah[SWT] and go into prostration and beseech his mercy. Again this time another group will be pardoned. Then the third and forth time I shall ask for mercy, until none shall remain, except those who have been forbidden by Quran and granted inferno forever."

In this *conte* that has been attributed towards Muhammad[PBUH], there is not a single word mentioned about the knowledge of Adam. Secondly, we must notice that all prophets are repentant for their sins and do not have the courage to face God. Can this be the attitude of the Messengers of Allah[SWT]?

YOUR WIVES ARE LIKE YOUR FIELDS:

5. It is narrated in chapter *Baq'ra* in Quran:

(2:223) نساؤکم حرث لکم فاتوا حرثکم انی شئتم (۲/۲۲۳)

"Your wives are similar to your fields. You can go to them as you go to your fields."

Again it is very obvious, the purpose of going to your wives is, when you want to sow your seed or want off springs. For this, just as a farmer sows seeds in the

The later story, that there are seven skies, on top of the seventh sky is an ocean; on the ocean are seven ibexes. And on the backs of these ibexes is the heaven. This is an explanation of the following *ayaat* from Quran, wherein is stated:

(11:7) كان عرشه على المآء (۱۱/۷)

In fact these words are very profound. The Quran says:

(21:30) جعلنا من المآء كل شيء حي (۲۱/۳۰)

"We have created every living creature from water."

Meaning, life initiated from water and is dependent on water also. Life cannot sustain itself without water. The intrinsic resource of life is water. The later *ayaat* therefore means, that God has absolute control over water. In other words, God has complete authority and control on the primary source of life.

This was the truth that has been explained in Quran. And we also read, narrated in *Trimidhi*, its explanation attributed to Muhammad[PBUH].

Now you can decide for your self, can it be claimed, in any way, as the explanation given by the Messenger?

علم ادم الاسمآء

4. In context with 'the story of Adam,' it is narrated in the chapter of *Baq'ra* in Quran:

(2:31) وعلم ادم الاسمآء كلها (۲/۳۱)

"And Man was taught the knowledge of all names."

It is very obvious. The Arabic word 'Adam' symbolizes 'mankind' or 'humankind.' Humankind has been granted the capacity to grasp the knowledge of universe. Human being has also been given the freedom of choice, which is impossible to exercise without knowledge. Freedom to choose and knowledge go hand in hand.

EXPLANATION OF BOKHARI:

Now let us read what Bokhari's collection of *ahadith* has to say about this. It is written:

"Hazrat Uns[R] quotes the Messenger, who said, 'On the day of judgement all Muslims will gather together and consult, as to whom they must appoint on

his faith in Allah. In other words (God forgive us), Allah's plan was defeated and became a horse of another color.

Can you, even for a moment imagine, if the above explanation could belong to the Messenger?

3. Quran defines Allah as:

هو الاول والاخر (۵۷/۳)

(57:3)

"God is beyond the limitations of time." These words are so clear and explicit, one does not have any problem in understanding them—

"He is the first and he is the last!" whereas we find in the collection of *Trimidhi*, A lengthy explanation of this *ayaat* by Abu Huraira[R], the concise summary of which is:

"The Holy Messenger said that the distance between earth and sky is five hundred years of journey. And the distance between two skies is also the same. Now there are seven skies in all, the distance between the seventh sky and heaven is also five hundred years of journey. In the same way there is an earth beneath this earth, which is also five hundred years of journey. And there are seven earths. The distance between every two is also the same... After that the Messenger said, *'He is the first and he is the last!'* هو الاول والاخر

We ask you to first read the Arabic *ayaat* and then peruse its commentary. Can it, by any means be claimed as the words of Messenger Muhammad[PBUH]?

In the same collection of *Trimidhi*, we read from Abu Huraira[R],

"The Messenger said, 'the distance between one sky and the other is 71 or 72 or 73 years of journey. And there are seven skies in all. The distance between any two skies is also the same number of years. On top of the seventh sky is an ocean. That is also the same number of years deep. On the ocean are seven ibexes. The distance from their hoofs to their knees is also the same number of years. On the backs of these ibexes is heaven, that is also the same amount of years in height."

In the first gospel of Abu Huraira[R], we read in *Trimidhi*, the path from one sky to the other is five hundred years. In the same *Trimidhi* it is stated, the Messenger saying, the distance between two skies is 71 or 72 or 73 years. The glaring contradiction is very clearly obvious!

among themselves, the reason Moses[PBUH] bathes in isolation is because he suffers from the disease of *fituk*. One day it so happened, Moses[PBUH] went to take a bath and put his garments on a nearby stone. The stone took away with his clothes and Moses[PBUH] ran after the stone saying (ثوبی یا حجر ثوبی یا حجر) 'O Stone! Give me my garments, O Stone! Give me my garments.' In the meantime, Israelites were able to take a good look at Moses[PBUH] and said that he did not suffer from any disease. The stone stopped moving and Moses[PBUH] after taking his garments, began to beat the stone." Abu Huraira[R] says—The stone, by God, still has six or seven marks from the beating of Moses[PBUH]. (Bokhari, Vol. I, page 76).

Please peruse the above commentary carefully, think for a moment, if this can possibly be the explanation given by the Messenger, of the *ayaat* from Quran?

2. It has it in *Trimidhi*, Hazrat Ibne Abbas[R] while quoting Muhammad[PBUH] writes, "Archangel Gabriel told me, the pharaoh, when dying desired to believe in the God of Moses[PBUH]. And that, "I should have seen him, how he shoved mud of the ocean in pharaoh's mouth, so that he may not announce his belief."

First of all, let us see, if it is the duty of Gabriel to stuff mud into anybody's mouth when the person desires to believe in God? Or someone who only wants to be blessed? We ought to know, it is written in Quran about angels:

يفعلون ما يؤمرون (۱۶/۵۰)

(16:50)

"The angels can do nothing on their own. They only obey the orders or commands of Allah."

It can be inferred, the act of angel Gabriel (stuffing of ocean's mud in the mouth of pharaoh) was ordained by God. We also know from Quran the pharaoh had embraced the faith of Moses[PBUH].

قال امنت انه لا اله الا الذی امنت به بنو اسرائیل وانا من المسلمین (۱۰/۹۰) (10:90)

Saideth pharaoh, "I believe there is no allah, except the Allah of Israelites and I am a Muslim."

PHARAOH EMBRACES THE FAITH OF ALLAH:

According to the above-mentioned parable, God did not want that pharaoh should believe in him. In order to fulfill his desire. God appointed Gabriel to stuff the mouth of pharaoh with mud. As we read, inspite of it, pharaoh succeeded in declaring

(2:55) لن نؤمن لک حتی نری اللہ جھرۃ (۲/۵۵)

"We will not listen to what you say, until we do not see God, with our own eyes!"

When they were asked to slaughter a cow, they made plenty of excuses, the details of which are in chapter *Baq'ra* of Quran. (Refer to 2:67). Moses[PBUH] told them, the sacred land has been destined for them, they only have to rise and take it. The Israelites replied, that until its inhabitants do not leave, they were not prepared to walk a single step in that direction.

(5:24) فاذھب انت و ربک فقاتلا انا ھھنا قاعدون (۵/۲۴)

"You and your God can go and fight with those people. While we will wait here till then."

This was the attitude of Israelites towards Moses[PBUH], because of which he was impelled to tell them:

(61:5) یقوم لم تؤذوننی و قد تعلمون انی رسول اللہ الیکم.....(۶۱/۵)

"O my people! Why are you so cruel to me? You know very well. I am your Messenger sent from Allah."

Moses[PBUH] was so exhausted by all this, he requested God almighty:

"My God! I have no control over anything besides my brother and my own self. So you must decide between us and these arrogant people."

Because of these happenings among Israelites, the Quran warns the *Momineen*, as not to follow in their footsteps:

لا تکونوا کالذین اذو موسی.....

"Do not behave like Israelites. The Messenger looses nothing by your merciless acts, on the contrary, that community becomes worthless which disregards the Messenger and annoys him."

Please take into consideration the explanations of Quran and see for yourself, how the meanings of the above mentioned *ayaat* unfold. In comparison, let us observe how our *ahadith* explain the same *ayaat*. It has in Bokhari:

1. "Abu Huraira[R], while quoting the Messenger Muhammad[PBUH] narrates, the Messenger said, "Israelites had the custom of bathing naked in front of each other, while Moses[PBUH] took his baths in isolation. The Israelites gossiped

(7:129) ..... اوذینا من قبل ان تاتینا

"We were in miserable condition before you came and we are miserable after your arrival."

Torrah maintains a detailed account. When the Israelites saw the Egyptians following them, it states them telling Moses[PBUH].

> "Was there not enough place to bury us in Egypt, that you have brought us in this deserted place? What are you doing with us? Did we not mention, while in Egypt, to let go off us, So that we may serve the Egyptians? It would have been better for us to serve the Egyptians than die in wilderness." (Exodus 14:10-12)

In the plains of Sinai, The Israelites got healthy victuals, still they complained to Moses[PBUH]:

(2:61) ..... لن نصبر علی طعام واحد

"Do we have to eat the same food every day!"

Torrah has it:

> "The whole coterie of Israelites in this wilderness fretted and fumed on Moses[PBUH] and Aaron[PBUH]. They said, 'we wish to God, we died in Egypt, when we were having our fill, out of pots of meat!" (Exodus 16:3-11)

When they were faced with a little shortage of water, they began to scream: "Why did you bring us out of Egypt, so that our children and animals may die of thirst." (Exodus, 7:1-3)

While passing through a valley, these Israelites saw some people prostrating in front of a statue. They went berserk and demanded from Moses[PBUH] and made importunate pleas, to erect for them a similar statue. As is narrated in Quran:

(7:128) ..... قالوا یموسی اجعل لنا الها کما لهم

Moses[PBUH] had to climb mount Sinai and did not return for quite some time. Meanwhile, the Israelites made a model of a calf and began to worship it. (20:86).

Upon entering a village, they were asked to adopt certain measures; whereas we read, that on purpose they acted on the contrary. (2:58-59).

When Moses[PBUH] asked them to have faith in one God, they replied:

THE STATUS OF HADITH...

EXPLANATIONS OF QURAN THROUGH AHADITH

Chapter 4

Translated By

Aboo B. Rana

****

The utmost need for *Ahadith*, we are given to understand, is because without them, we cannot grasp the correct interpretation of Quran. The argument given in favour of this statement is so powerful that every person is convinced. The argument is, can anyone's explanation of any *ayaat* of Quran, be more correct than the explanation given by the Messenger Muhammad.... No doubt! We agree that no one's explanation of Quran can go beyond that of the Messenger. The question we must ask ourselves: (the explanation of Quran that is present in our *ahadith*) is it the actual and true rendering of Messenger's word? I am confident you will not be able to answer this question nor will you accept that it is not the explanation given by Muhammad[PBUH], until and unless you do not read it with your own eyes, as to what is real *hadith*. For just this purpose we will copy from the most respected *ahadith* books, a few examples of the explanation of *ayaat* from Quran. After reading, you all can decide for yourself, whether we should attribute it to the Messenger Muhammad or not?

In the chapter of *Ah'zaab* in Quran, it is stated:

(33:9) يايها الذين امنوا لا تكونوا كالذين ....

"*O Believers! Do not become like those who became callous with Moses.*"

MOSES AND ISRAELITES:

The different ways, in which the Israelites mistreated Moses[PBUH], has been explained in the Quran in detail. If nothing else, the devotion and perpetual struggle of Moses[PBUH], ought to have been enough reason for Israelites to be grateful to him all their lives. On the contrary, we observe, they blatantly told Moses[PBUH].

FOUNDED IN 1938 AT THE BEHEST OF ALLAMA IQBAL® AND QUAID-E-AZAM®

R.L.No.
CPL-22
VOL:54
ISSUE
10

Monthly

TOLU-E-ISLAM

25-B, Gulberg 2, Lahore, PAKISTAN
Phone: 5714546, 5753666 Fax: 5866617
Email: idara@toluislam.com
Web Site: http://www.toluislam.com/

AMBER Range of Products:

Capacitors for Motor Start-Run, Fans, Blowers,
Air Conditioners, Fluorescent Lamps,
High Pressure/High Intensity Discharge Lamps,
and,
Power Factor Correction.

CUSTOMER SPECIFICATIONS ARE WELCOME!!

Amber Capacitors Limited
16-Link Mcleod Road, P. O. Box 468,
Lahore, PAKISTAN.

Phone: +92 42 722 5865, 722 6975
Fax: +92 42 723 2807, 586 6617
Web Site: http://ambercaps.com/
Email: amber@ambercaps.com